[illegible] اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ [illegible]

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/- روپے

ٹیلیفون: 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی گلبرگ 2 لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان 170- روپے
غیر ممالک 800- روپے

جلد 53 — فروری 2000 — شمارہ نمبر 02

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)
: ——— :

اکاؤنٹینٹ : مرزا مردبیگ
سرکولیشن سپروائزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور — فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
آہ! فضل بابا بھی چل بسے	محمد سلیم اختر	7
تعلیم کی صحیح جہت	پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق	9
منکرین حدیث کون ہیں؟	ابو شہاب رفیع اللہ	16
پرویز صاحب کے ساتھ ایک شام	پروفیسر مقبول الٰہی	27
بانی تحریک طلوع اسلام کا پیغام	علامہ غلام احمد پرویز	32
آہ! سورج مکھی فضل بابا	عاطف طفیل	33
رب ب (لغات القرآن)	ادارہ	34
پرویزی فرقے کا کوئی وجود نہیں	رشید احمد سوات	38
سوچا کرو	عاطف طفیل	41

ENGLISH SECTION

1- Open Letter to the Chief Executive of Pakistan
By Dr. Syed Abdul Wadud 64

2- Marriage - Divorce - Polygamy
By Ghulam Ahmad Parwez 60

3- The Qur'anic Concept of God's Mercy
By Muhammad Iqbal Khawaja 50

4- Fazal Baba
By Ms. Shamim Anwar

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے

1- یتیم پوتے کی وراثت

یوں تو قرآن کریم کی تعلیم کا کون سا گوشہ ہے جس کی اعجازی کیفیت سے چشم بصیرت محو حیرت نہیں رہ جاتی (اس کا تو ایک ایک لفظ بے مثل و بے نظیر ہے) لیکن بعض احکام کی جامعیت ایسی ہے جس پر غور و فکر سے روح وجد میں آجاتی ہے' انہی احکام میں قرآن کا قانون وراثت بھی ہے۔ قرآن نے اپنی چار مختصر سی آیات میں اتنا اہم اور وسیع قانون اس انداز سے اصولی طور پر سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ اس کی جامعیت اور ایجاز پر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن ہماری بدبختی ملاحظہ ہو کہ یہی قانون وراثت جب مذہبی پیشوائیت کے ہتے چڑھ گیا تو نہ صرف یہ کہ یہ قانون دنیا کا مشکل ترین مسئلہ بن گیا بلکہ اس کی بعض شقیں ایسی مضحکہ انگیز شکلیں اختیار کر گئیں کہ انہیں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ انہی گوشوں میں ایک مسئلہ یتیم پوتے کی وراثت کا ہے چونکہ یہ مسئلہ (قانونی مسائل کی طرح) فنی ہے اس لئے ذرا اسے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس کی فنی اصطلاحات سے صرف نظر کر کے اسے عام فہم الفاظ میں سمجھایا جائے۔ ذرا ذیل کے نقشے کو سامنے رکھئے۔

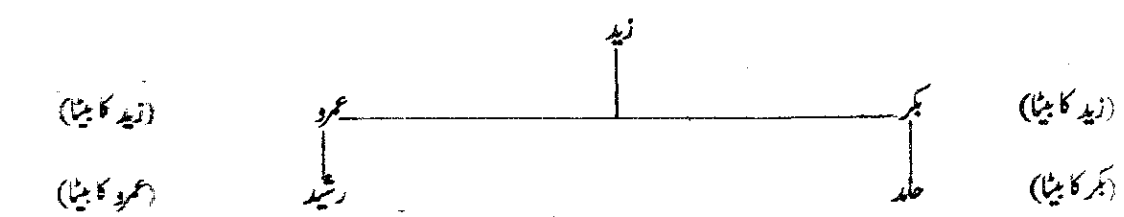

زید کی زندگی میں بکر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد زید وفات پا گیا۔ زید کی وفات کے وقت اس کا بیٹا عمرو بھی زندہ ہے (اور عمرو کا بیٹا رشید بھی) اور اس کے ساتھ اس کا یتیم پوتا (حامد) بھی۔ ملائیت کا مذہب ہے کہ زید کی ساری جائیداد عمرو کو مل جائے گی حامد کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس کا قصور یہی ہے کہ وہ یتیم ہے اس کے سر پر باپ کا سایہ نہیں اسے وراثت سے کیوں

نہ محروم کیا جائے؟ مرے کو مارے شاہ مدار۔ ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے۔

قرآنی احکام وراثت میں ہے کہ

(i) **للرجال نصیب مما ترک الوالدان.....** (4:7)۔

(ii) **یوصیکم اللہ فی اولادکم.....** (4:11)۔

یعنی "اولاد" اپنے "والدین" کے ترکہ سے حصہ پاتی ہے یہ حصہ خود خدا نے مقرر کر دیا ہے۔

ہمارے ہاں اولاد کے معنی عام طور پر صرف بیٹا بیٹی کئے جاتے ہیں اور والدین کے معنی صرف ماں باپ لیکن ان الفاظ کے معنی وسیع ہیں۔ ولد میں بیٹا اور بیٹے کی اولاد در اولاد (پوتا' پرپوتا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح والد میں باپ اور باپ کے والد در والد (دادا' پردادا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں۔ اس اصول کو فقہ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اولاد میں نیچے تک اور والد میں اوپر تک سب شامل ہوتے ہیں۔

یہاں سے دوسرا سوال پیدا ہوا مثلاً ایک شخص مر گیا۔ اس کا باپ' دادا' پردادا بھی موجود ہیں اور بیٹا'پوتا' پرپوتا بھی۔ قرآن نے باپ کا حصہ بھی مقرر کیا ہے اور بیٹے کا بھی لیکن جب والد کے اندر' اوپر تک (دادا' پردادا) شامل ہیں اور "ولد" کے اندر' نیچے تک (پوتا' پرپوتا) تو پھر ترکہ کی تقسیم کس طرح ہو۔ اس کے لئے قرآنی اصول اقرب کا ہے۔ اقرب کے معنی ہیں وہ وارث جس کے اور میت کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو۔ مثلاً

	نور	(دادا)
	بشیر	(والد)
متوفی	احمد	(متوفی)
	خالد	(بیٹا)
	نذیر	(پوتا)

متوفی (احمد) سے اوپر کی طرف نور اور احمد کے درمیان متوفی کا باپ (بشیر) (پردہ یا حجاب) ہے۔ اس لئے احمد' نور کا اقرب نہیں ہے۔ اسی طرح نیچے کی طرف احمد اور نذیر کے درمیان خالد (بیٹا) روک ہے اس لئے احمد' نذیر کا اقرب نہیں ہے۔ اس صورت میں احمد کے ترکے میں اوپر کی طرف بشیر اور نیچے کی طرف خالد حقدار ہوں گے لیکن اگر احمد کی وفات کے وقت بشیر زندہ نہ ہو تو احمد نور کا اقرب ہو جائے گا اور جو حصہ بشیر کا تھا وہی حصہ نور کا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر احمد کی وفات کے وقت خالد زندہ نہ ہو تو احمد نذیر کا اقرب ہو جائے گا اس لئے جو حصہ خالد کا تھا وہی حصہ نذیر کا ہو جائے گا۔

اب نقشہ نمبر1 کو دیکھئے زید کی وفات کے وقت ایک طرف رشید اور زید کے درمیان عمرو کی روک موجود ہے اس لئے زید کے ترکہ میں عمرو کی موجودگی میں رشید حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسری طرف حامد اور زید کے درمیان کوئی روک نہیں (جو روک تھی۔ یعنی بکر۔ وہ پہلے ہی اٹھ چکی ہے)۔ اس لئے حامد زید کے ترکہ میں حقدار ہے اور قرآن نے (ایسی صورت میں) جو حصہ ولد کے لئے مقرر کیا ہے وہ اسے ملے گا۔ اسی طرح حامد کی موت کی صورت میں حامد کے مال سے زید کو وہ حصہ ملے گا جو قرآن نے والد کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اب حامد اور زید کے درمیان کوئی روک نہیں (روک۔ بکر۔

پہلے اٹھ چکی ہے) اسی طرح اگر عمرو بھی زید کی زندگی میں مرچکا ہوتا تو رشید زید کے مال سے اپنا حصہ لیتا۔ کیونکہ اس صورت میں رشید اور نذیر کے درمیان کوئی روک نہ ہوتی۔

اس سے واضح ہے کہ

1- قرآن نے جو حصے والدین اور اولاد کے لئے مقرر کئے ہیں وہ صرف ماں باپ اور بیٹی بیٹے کے حصے نہیں بلکہ اوپر تک اور نیچے تک مسلسل جاتے ہیں۔

2- حصہ اسی کو ملتا ہے جس کے اور متوفی کے درمیان کوئی حجاب (یا روک) نہ ہو جب روک اٹھ جائے گی تو حصہ مل جائے گا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ ملائیت کا مذہب بالکل نو ایجاد ہے اور قرآن سے اسے کچھ تعلق نہیں تو بعض (ناواقف) حضرات کو اس سے بڑی حیرت ہوتی ہے اور وہ اسے صحیح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اب آپ صرف اس ایک مسئلہ میں دیکھ لیجئے (یعنی یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلے میں) کہ قرآن کا حکم کیا ہے اور ملائیت کا مذہب کیا! اس کے بعد آپ خود سوچ لیجئے کہ جس چیز کو مذہبی پیشوائیت "نظام شریعت" کہہ کر پکارتی ہے اسے قرآن سے کس قدر تعلق ہو گا! ہزار برس سے مذہبی پیشوائیت اپنے اس غیر قرآنی مذہب کو لئے ہوئے آرہی ہے نہ معلوم اس سے کتنے یتیم پوتے۔ محروم الارث ہو کر تباہ و برباد ہوئے ہوں گے۔ مرحوم صدر ایوب خاں کے زمانے میں جب فیملی لاز تیار کئے گئے تھے تو ان میں یتیم پوتے کو دادا کی جائیداد میں باقاعدہ حصہ دار قرار دیا گیا تھا۔ ہماری بدبختی کہ اب (اخباری رپورٹ کے مطابق) وفاقی شرعی عدالت نے بھی مذہبی پیشوائیت کے سامنے ہتھیار ڈال کر فیملی لاز مجریہ 1961ء کی دفعہ 4 کو اسلام کے منافی قرار دے دیا ہے۔ اگر یہ غلط مذہب پھر سے ملک کا قانون بن گیا تو نہ معلوم کتنے مظلوم یتیم ملائیت کی اس کند چھری سے ذبح ہوں گے۔

2- نکاح -- قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم کی رو سے' ایک مرد اور عورت کا ان تمام ذمہ داریوں اور حقوق کو لئے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے اس باب میں متعین کئے ہیں' میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کا معاہدہ "نکاح" کہلاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے **میثاقا غلیظا** (4:21)- "پختہ عہد" سے تعبیر کیا ہے۔

معاہدہ کوئی بھی ہو' اس کے لئے ضروری ہے فریقین بالغ ہوں اور وہ معاہدہ' ان کی باہمی رضامندی سے' بلا کسی قسم کے جبر و اکراہ کے ہو۔ قرآن کریم نے معاہدہ نکاح کے لئے' ان دونوں شرطوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس نے بلوغت کے لئے "نکاح کی عمر" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ سورہ نساء میں ہے:

وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (4:6)-

(تم جب یتیموں کے سرپرست بنو تو) انہیں پرکھتے رہو تاآنکہ وہ "نکاح کی عمر" کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال و متاع ان کے حوالے کر دو۔

یہاں کہا گیا ہے کہ جب یتیم "نکاح کی عمر" کو پہنچ جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور سورہ انعام میں ہے:

یبلغ اشدہ (6:153)- جب وہ "جوانی کی عمر" تک پہنچ جائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے "نکاح کی عمر" جوانی ہے۔ جب تک لڑکا اور لڑکی جوان نہ ہو جائیں' وہ نکاح کی عمر کو نہیں پہنچتے۔ لہٰذا' قرآن کی رو سے نابالغ کی شادی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نکاح کی عمر کو نہیں پہنچتا۔

یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی' تو یہ بالکل غلط ہے۔ نکاح کے وقت ان کی عمر سترہ اور انیس برس کے درمیان تھی۔

(ب) نکاح کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے۔ چنانچہ مردوں کے متعلق ہے : **فانکحوا ما طاب لکم من النساء** (4:3)- "تم ایسی عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند ہوں"۔ اور عورتوں کے متعلق کہا کہ : **لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا** (4:19)- "تمہارے لئے قطعاً" جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ ایسا کرنا حلال ہی نہیں"۔

لہٰذا' جس نکاح میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی شامل نہیں' وہ نکاح' قرآن کی رو سے نکاح ہی نہیں کہلا سکتا۔

چونکہ کم سنی میں نکاح ہو نہیں سکتا' اس لئے نکاح کے لئے ولی (سرپرست) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالغ لڑکی کا کوئی ولی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے معاملات کی خود مختار ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے نکاح کا کوئی طریقہ تجویز نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نکاح خوان کی ضرورت بھی نہیں بتائی۔ نکاح ایک معاشرتی رسم ہے۔ اس میں قرآنی حصہ اتنا ہی ہے کہ عاقل اور بالغ مرد اور عورت ان تمام حقوق و فرائض کو قبول کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے اس باب میں عائد کئے ہیں' ازدواجی زندگی بسر کرنے کا باہمی معاہدہ کریں۔ اس میں گواہوں کی ضرورت کسی بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگی کے لئے احتیاطی تدبیر ہے۔ ہمارا موجودہ طریقہ نکاح ہمارے اس غیر قرآنی تصور کی یادگار ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکی کچھ دخل نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ اس کے ولی کا ہے اور اسے ولی بشمولیت وکیل طے کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ نکاح کے موقع پر لڑکی میں ایک خاص جھجک ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ (اسلامی پردہ ہی میں سہی) عام مجمع میں اس قسم کی موجودگی میں تامل کرے گی۔ لیکن اس کے لئے اس کا عام مجمع میں آنا کیا ضروری ہے۔ اپنے چند قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کے بالمواجہہ اس عہد نامہ کا اقرار کر لینا چاہئے۔ اس کے لئے نہ کسی حاجب و دربان کی ضرورت ہے نہ ولی اور وکیل کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فاروق اعظم' حضرت عمرؓ کا پہلا خطبہ

خدا کی قسم تمہارا ہر کمزور آدمی میرے نزدیک سب سے قوی ہے تا آنکہ میں اس کا حق وصول نہ کر لوں۔ اور تمہارا ہر طاقتور آدمی میرے نزدیک سب سے کمزور تر ہے تا آنکہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں۔

(بحوالہ عمر فاروقؓ۔ مصنفہ محمد حسین ہیکل مصری۔ صفحہ 592)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آہ! فضل بابا بھی چل بسے

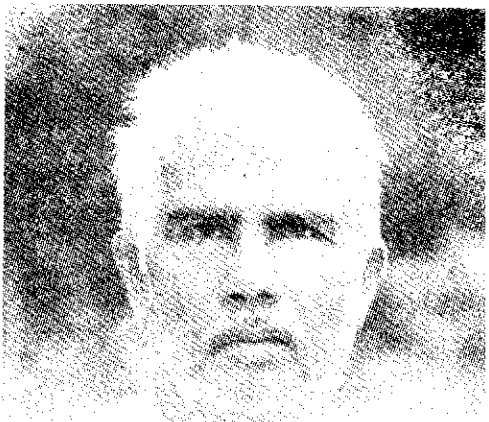

مرحوم نے آخری سفر سے چند روز قبل ادارہ اور ٹرسٹ کے کارکنان کو اپنے گھر پر افطاری کے لئے بلایا۔ سخت
ت کے باوجود احباب کے ساتھ بیٹھے رہے۔ بار بار اشفاق کو آواز دیتے۔ کسی کو پانی پیش کرنے کی ہدایت کرتے اور
ی کو رائتہ۔ احباب کھانا کھانے میں مصروف رہے جبکہ وہ انہیں اپنائیت سے دیکھتے رہے۔ اس روز میں نے فضل بابا
آنکھوں میں الفت و رافت کے عجیب جگنو چمکتے دیکھے۔ بار بار کہتے "مزہ نہیں آرہا" "میں اپنے ہاتھوں سے کھلا پیش
کے قابل نہیں ہوں"۔ "لطف نہیں آیا"۔

سلیم تھا کہ فضل بابا سے یہ ملاقات آخری ثابت ہو گی۔ ان کے اس طرح جدا ہونے کا کبھی سوچا بھی نہیں
سے بہت سی باتیں پوچھنا تھیں۔ ہر روز ان سے باباجی (پرویز صاحب) کے متعلق کوئی نہ کوئی نئی بات

معلوم ہوتی۔ بابا جی کی شخصیت کا کوئی نیا منور گوشہ منکشف ہوتا۔ اس عظیم مفکر قرآن کے بارے میں کسی بات کی تصدیق چاہئے ہوتی تو دوڑے دوڑے فضل بابا کے پاس جاتے۔ "فضل بابا' فضل بابا" "بابا جی نے کبھی آپ کو ڈانٹ پلائی تھی"۔ فضل بابا دو منٹ خاموش رہتے۔ پھر آہستگی سے کہتے "نہیں! کبھی نہیں"۔ اس کے بعد ان کی خفگی اور ناراضی کے انداز کے بارے گفتگو شروع کر دیتے۔ عجیب لطف کے ساتھ بیان کرتے تھے واقعات۔ عجب مٹھاس ہوتی تھی ان کی باتوں میں۔ ان کی شخصیت سے بابا جی کی خوشبو آتی تھی۔ آہ! اب بابا جی کے متعلق کس سے پوچھیں گے۔ ان کی باتوں کی تصدیق کس سے کرائیں گے۔ انہوں نے عظیم مفکر قرآن کے ساتھ 20 سال گذارے تھے۔ 1965ء سے 1985ء تک بابا جی کی خدمت کی۔ 1985ء کے بعد سے اب تک دفاتر طلوع اسلام میں تن دہی سے کام کرتے رہے۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔ ان کے سینے میں کسی کے خلاف عداوت' نفرت' بغض' کینہ یا کدورت کا غبار تک نہ تھا' جھوٹ یا ریاکاری قریب سے نہیں گذری تھی۔ وہ اقبال کے اس مرد مومن کا زندہ پیکر تھے جس کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔

اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب' اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو
بزم ہو یا رزم ہو' پاک دل و پاکباز

اللہ سے دعا ہے کہ ۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ادارہ طلوع اسلام اور طلوع اسلام ٹرسٹ کے جملہ اراکین فضل بابا کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

جگر فگار
محمد سلیم اختر
مدیر طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کٹر حور حق

تعلیم کی صحیح جہت

قوموں کی قسمتوں کے فیصلے بساط سیاست یا میدان جنگ میں نہیں ہوتے' یہ فیصلے ان کے تعلیمی اداروں' جامعات اور گھروں میں ہوتے ہیں۔ کوئی قوم اپنے حریف مخالف سے نہیں پٹتی۔ وہ اپنے نوجوانوں کی غلط تعلیم سے پٹتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہنگامی حوادث کسی قوم کو اس کی قوت و دولت سے محروم کر دیں اور اس طرح وہ میدان مقابلہ میں دیگر اقوام سے پیچھے رہ جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اضطراری و ہنگامی وقتی اسباب سے اس قوم کی شوکت و حشمت اس سے چھن جائے اور اقوام غالب اس کے سینہ ناتواں پر کابوس (Albatross) کی طرح سوار ہو جائیں۔ لیکن اگر وہ قوم اپنے سنبھال لے اور اس کی تعلیم و تربیت ٹھکانے سے کرے تو دیکھے گی کہ ان نوجوانوں کے قلب و دماغ کی صلاحیتیں (Potentialities of their mind and heart) ان کے گرم کی حرارتیں' ان کا زور بازو' ان کا جوش کردار کس طرح ایک بے پناہ سیلاب کی طرح اٹھتا ہے اور ہر ٹکرانے والی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ اس پر تاریخ کے اوراق' فلسفہ کے رموز' انسانی سیرت و کردار کے اور قرآن پاک کے حقائق گواہ ہیں کہ قوموں کی تقدیر ان ابھرنے والی نسلوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جس قسم کے میں ان کے قلب و دماغ کو ڈھالا جائے گا۔ اسی قسم کا قوم کا مستقبل ہو گا۔ یہی قوموں کی تخلیق کا معیار ہے اور کی مدت حیات کا پیمانہ۔

تعلیم کی یہ ایک صحیح جہت' یہ صحیح سمت ہے کیا؟

یہ سمت وہ ہے' جسے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وساطت سے یہ کہہ کر نازل فرمایا تھا کہ **ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم** (17:9)- "حقیقت ہے کہ یہ قرآن کاروان انسانیت کو سفر زندگی میں وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی اور توازن بدوش ہے"۔ ہم نے تو اسے' ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر اپنے گھروں کے اندر' صرف طاقوں میں سجا کر رکھ دیا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ محاورہ عرب اور عربی مبین میں علم کہتے کسے ہیں؟ تاج' محیط اور راغب نے علم کے معنی "حقیقت کا ادراک کرنا" اور "یقین حاصل کرنا" لکھے ہیں اور ادراک حقیقت کرنے والے کو عالم کہا ہے۔ قرآن پاک نے سمع' بصر' قلب اور فواد کو علم و تعلیم کے ذرائع قرار دیا ہے۔ اس نے سمع اور بصر سے حاصل کردہ علم کو علم کا پہلا درجہ کہا۔ یہ علم (Senses) کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک سمع بصر سے کام لینے کی اہمیت کو بار بار اجاگر کرتا ہے۔ لیکن اس سے آگے بھی علم کا ایک اور درجہ ہے۔ جسے وہ علم بذریعہ تصورات (Conceptual Knowledge) کہتا ہے۔ یعنی مدرکات (Perceptions) سے تصورات (Concepts) متعین کرنا۔ یہ حصہ' خالص انسانی سطح زندگی پر حاصل ہو سکتا ہے۔ نچلی سطح زندگی اس سے مستثنیٰ ہے۔ حیوانی شعور صرف حسیاتی یا مدرکاتی علم (Perceptual Knowledge) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک للکار کر کہتا ہے **لا تصف ما لیس لک به علم** (17:36)- یاد رکھو! جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے

پیچھے مت لگو۔" اس آیت کا اتنا حصہ بھی کچھ کم حقیقت کشا اور بصیرت افروز نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد چند الفاظ نے علم کی Definition دے دی۔ جس سے ساری بات نکھر کر اور ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ فرمایا **ان السمع و البصر والفواد کل اولئک کان عنه مسؤلا** (17:36)۔ "یہ حقیقت ہے کہ تمہاری سماعت بصارت اور فواد ہر ایک پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے"۔ بات یہ ہوئی کہ انسانی حواس جو معلومات (Data) فراہم کر کے انسانی فواد (Mind) تک پہنچاتے ہیں اور فواد ان سے استنباط (Drawing of Inferences) نتائج کرتا ہے میں اسے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ آپ نے بندوق کی آواز سنی تو سمجھے کہ کسی کے گولی لگ گئی۔ اور باہر جا کر دیکھتے ہیں کہ جسے گولی لگی ہے وہ آپ کا اپنا دوست ہے تو گولی چلانے والے کے خلاف آپ کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے۔ اس تمام واقعے میں آپ کے سمع بصر فواد کی شہادت موجود ہے۔ لہذا یہ علم ہے۔ لیکن اگر نہ بندوق کی آواز سنی جائے۔ نہ کسی کی چیخ' نہ اپنے دوست کو تڑپتا دیکھا جائے' نہ کسی گولی چلانے والے کو' اور یونہی کسی کی بات سن کر' ایک شخص کی جان کے لاگو ہو جاؤ' تو یہ فعل علم پر مبنی نہیں ہو گا' کیونکہ اس میں سمع' بصر' فواد کی شہادت موجود نہیں۔ صاحبو! تعلیم تو اس طرح کے علم سے تربیت کرنے کا نام ہے۔ آپ ذرا چشم تصور میں دیکھئے تو کہ۔

1- خارجی کائنات ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے وہ اس منزل مقصود کی طرف رواں دواں جا رہی ہے۔

خلق الله السموت و الارض بالحق (29:44)۔

2- اسی طرح انسان کی زندگی بھی ایک مقصد لیے ہوئے ہے اور اس کی تگ و تاز کا منتہی اس نصب العین کی طرف بڑھنا ہے **لعلکم بلقاء ربکم توقنون**۔ (13:2)۔

3- خارجی کائنات میں ہر شے بلا اختیار و ارادہ اس مقصد کی طرف جا رہی ہے۔ **کل له قنتون** (2:116)۔

اس سلسلے میں نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution) کے حاملین کے تین گروہ ملتے ہیں۔ (1) ماد ئیین (Matirialists) جن کے نزدیک زندگی اور شعور (Life and Conciousness) مادہ کے ارتقاء سے پیدا ہو گئے۔ انہیں Cause اور Effect سے سمجھا جا سکتا ہے۔ (2) Vitalists جن کے نزدیک زندگی مادہ سے پیدا نہیں ہوئی۔ اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ اس کے اپنے اصول ہیں اور (3) Finalists جن کے ہاں تمام کائنات خدا کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق ایک خاص مقصد لیے ہے۔ اور زندگی ایک مقصد کو لیے ہوئے نشوونما پاتی ہے۔ اور اسی مقصد کے لیے اپنے ماحول سے تطابق اختیار کرتی ہے۔ خواہ یہ تطابق نئے عادات و اطوار اختیار کرنے سے حاصل ہو یا قدیم عادات میں رد و بدل کرنے سے۔ اس طرح زندگی ایک Career کی حامل بن جاتی ہے۔ خارجی کائنات میں حیوانی سطح پر تو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں مرنا بھی ہے۔ وہ تو حال (Present) سے مستقبل (Future) پر نگاہ رکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ یعنی انہیں مستقبل کی فکر نہیں ہوتی۔ وہ خودکشی پر قادر نہیں ہیں۔ وہ ناکام تو رہ سکتے ہیں لیکن نادم نہیں ہوتے وہ تو خجالت اور ندامت سے ہی ناآشنا ہیں۔

ذرا یہ بھی دیکھئے اگر کوئی شخص آپ کو پتھر مارے تو آپ اس پتھر پر نالش (Case) نہیں کرتے۔ نہ ہی جب آپ کو کوئی شخص کھانا کھلائے تو آپ اس کھانے کے حق میں دعائے خیر کہتے ہیں۔ بہادر کا تمغہ توپچی کو ملتا ہے' توپ کو نہیں۔ پھانسی کا پھندا قتل کرنے والے کی گردن میں ڈالا جاتا ہے' اس تلوار کے نہیں جس سے اس نے قتل کیا۔ اس طرح انسان اپنی دنیا میں صاحب اختیار و ارادہ ہے۔ اس لئے اسے اس نصب العین کی طرف بڑھنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

خارجی کائنات میں تو ملائکہ یعنی مدبرات امور الٰہیہ یا کائناتی قوتیں خدا کے تمام امور کو بروئے کار لانے کے لیے متعین ہیں۔ درحقیقت یہ وہ قوتیں ہیں جو خدا کی اسکیموں کو بروئے کار لانے کے لیے سرگرم عمل رہتی ہیں۔ یہ

Physical World میں Forces of Nature ہیں۔ انہیں جو کہا جاتا ہے، وہ کرتی ہیں۔ انہیں مجال سرتابی نہیں۔ سائنس کی زبان میں یہ ہیں قوانین فطرت Laws of Nature۔ جنہیں انسان مسخر کرتا ہے۔ آج قوانین فطرت کے متعلق چار نظریات متداول ہیں۔

(1) Law of Immanence قانون نفوذ کلی۔ اس نظریہ سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنی ذاتی خصوصیت کی بنا پر قائم نہیں بلکہ ہر شے اپنی ہستی کیلئے دوسری اشیاء کی محتاج ہے۔ لہٰذا تمام اشیاء میں باہمی ربط ہے۔ اشیاء کی ماہیت (Nature) سمجھنے سے مفہوم یہ ہے کہ ہم اس بنیادی رابطہ کو سمجھ لیں جس سے یہ اشیاء باہم دگر مربوط ہیں۔ اسی رابطہ کو قانون فطرت کہتے ہیں۔

(2) Imposed Laws عائدہ شدہ قوانین۔ اس نظریہ کا ملخص یہ ہے کہ ہر شے ایک منفرد خصوصیت رکھتی ہے اور اس کی ہستی اسی خصوصیت سے قائم ہے لہٰذا اپنی ہستی کے لیے وہ شے کسی دوسری شے کی محتاج نہیں لیکن ان تمام اشیاء پر خارج سے ایک قانون عائد کر دیا ہے کہ وہ باہم دگر ربط و ضبط رکھیں اس خارج سے عائد کردہ قانون کا نام قانون فطرت ہے۔

(3) Observed Order of Succession تسلسل واقعات کا مشہود نظم و ضبط۔ اس نظریہ سے مقصود یہ ہے کہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دیکھتے جائیں کہ کائنات میں کیا کچھ ہو رہا ہے اور جس طرح کوئی واقعہ ہوتا چلا جائے اس کے متعلق اپنے مشاہدات قلمبند کرتے چلے جائیں ان مشاہدات کی رو سے جو نتائج مرتب ہوں وہی قوانین فطرت ہیں۔

(4) Conventional Interpretation تقلیدی تشریح و تفہیم۔ یہ درحقیقت کوئی الگ نظریہ نہیں ہے یہ تو حکمائے یونان و مصر کے اتباع میں ایک قسم کا تقلیدی مسلک ہے اس لیے بحث صرف اول الذکر تین نظریات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

آیئے سائنس کی دنیا میں اور ملاحظہ فرمایئے کہ سائنس کا دار و مدار قوانین پر ہی تو ہے۔ ان میں ایک ہے Laws of Cause and Effect علت و معلول کے قوانین اور دوسرا ہے Laws of Uniformity of Nature فطرت میں یکسانیت کے قوانین۔ انسانی دنیا میں قوانین علت و معلول Laws of Cause and Effect قوانین مکافات عمل بھی ہیں۔

اب دوسری طرف آیئے انسانی زندگی کا ایک دوسرا دائرہ بھی ہے۔ انسان کے اندر نفسیاتی قوتیں ہیں۔ یہ Psychological Forces ہیں اور Unconscious Forces بھی۔ مثلاً قوت ارادی Will Power۔ یہ جب نشوونما پاتی ہیں تو انسان سے Fear Complex نکال دیتی ہیں۔ پھر انسان کو Terrorize نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانی پاؤں میں ثبات پیدا کر دیتی ہیں۔ جس سے ذات میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ پاؤں جم جاتے ہیں۔ طمانیت قلب نصیب ہو جاتی ہے۔ جمعیت خاطر ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ میں ان قوتوں کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ **لم تروھا** ان کے تو اثرات ہی محسوس طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اب تیسری طرف آیئے۔ انسان کا ایک اور دائرہ بھی ہے۔ جس میں یہ اپنے اندر کی کمزوریوں سے مرتا ہے یہ اس کے اندر پوشیدہ غلط ناہموار نفسیاتی قوتیں ہیں جو سرکشی اور مایوسی پیدا کرتی ہیں۔ اضطراب و ہیجان لاتی ہیں۔ صاحبو! انسان کے اس ہیولہ آب و گل میں آگ کی چنگاریاں بھی ہیں اور خون کے چھینٹے بھی۔ ملکوتی قوتیں بھی ہیں جن سے وہ احسن تقویم بنتا ہے اور ابلیسی قوتیں بھی جن سے وہ اسفل السافلین تک پہنچتا ہے۔ لیکن یہ تمام امکانی قوتیں ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

فالھمھا فجورھا و تقوھا پھر خود انسانی ذات میں اس امر کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ یہ چاہے تو (غلط روش پر چل کر) اپنے اندر انتشار (Disintegration of Human Personality) پیدا کر لے اور چاہے اس انتشار

سے محفوظ رہ کر خود کو مستحکم سے مستحکم تر کر لے **قد افلح من زکھا** انجام کار جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ اس کی کھیتی پروان چڑھ گئی اسے زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا۔ لیکن اس کے برعکس **وقد خاب من دسھا**(91:8-10)- جس نے اسے مفاد پرستیوں کے بوجھ تلے دبائے رکھا اور ابھرنے نہ دیا اس کی کشت حیات ویران ہو گئی۔ اس کا شعلہ زندگی افسردہ ہو گیا۔ اس کی انسانی صلاحیتیں خوابیدہ کی خوابیدہ رہ گئیں۔ بس یوں سمجھو کہ وہ اس چقماق کی طرح ہو گیا جس میں آتش افروزی کی صلاحیت تو ہو لیکن اس کی چنگاری کی نمود نہ ہو سکے اور اس طرح وہ پتھر کا پتھر رہ جائے۔

اب آیئے چوتھی طرف کہ صلاحیت آدمیت میں ہے کیا؟ قرآن پاک کا ارشاد ہے **علم آدم الاسماء کلھا** (2:31)- آدم کو علم اشیاء کی ایسی صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کی شکل سے اور اس کے خواص معلوم کر کے اس کی پہچان کے لیے اس کا نام رکھے۔ اس طرح انسان میں اشیائے کائنات کے متعلق معلومات حاصل کرنے' ان اشیاء کی خاصیتوں' صلاحیتوں' ماہیتوں اور نوعیتوں کو معلوم کرنے کے علم کی استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کائنات میں کام کرنے والی قوتیں اس کے سامنے سر بسجود ہیں۔ جب انسان ان قوتوں سے واقف ہو جاتا ہے جو کائنات میں کارفرما ہیں تو جو جو قوتیں اس قانون کے مطابق کام کر رہی ہیں وہ سب اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہیں لہٰذا جس قدر کوئی قوم اشیائے فطرت کے متعلق معلومات بہم پہنچا کر انہیں اپنے تابع فرمان کرے گی اسی قدر اس کا مقام بلند ہو جائیگا۔

اس سلسلے میں ایک مغربی مفکر ٹیلر کی بات سنئے۔

"آدم پر زندہ اشیاء کا نام رکھنے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری اور مشکل کام تھا۔ اس لئے کہ جن چیزوں کا نام نہیں رکھا جاتا ان کے خواص غیر متعین رہ جاتے ہیں۔ اور جن چیزوں کے غلط نام رکھے جاتے ہیں ان سے بڑے نقصان پہنچتے ہیں"۔

صاحب علم و فن! غلط نام کے ضمن میں قرآن پاک نے کہا **سمیتموھا انتم و آباء کم** (7:71)- یونہی کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے۔ **ما انزل اللہ بھا من سلطان** (7:71)- اللہ نے تو اس کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ یاد رکھئے کائنات میں ہر شئے کا صحیح مقام وہی ہے جو اسے خدا کا قانون عطا کرتا ہے۔ کائناتی دنیا میں اس کا قانون کائنات اور انسانی دنیا میں ضابطہ وحی۔ باقی سب بتیان آذری۔

اب سوال یہ ہے کہ تعلیم کرے گی کیا؟ یہ تعلیم انسان کو جس قدر اشیائے فطرت کا علم دے گی وہ قوتیں اسی قدر انسان کے آگے جھکتی جائیں گی۔ اسے جس قدر اپنی علمی سطح کے مطابق فطرت کے قوانین کا علم ہو گا اتنا ہی اس کا مقام بلند ہوتا جائیگا۔ یہ ہے مقام آدم۔ اسی لیے تو قوانین فطرت کے مطابق عمدہ نتائج کا ماحصل صلاحیت کہلاتا ہے۔ مثلاً جن قوموں نے نیو کلیائی قوت (Information Technology) وغیرہ کی صلاحیت حاصل کی ہے۔ وہ قوانین فطرت کی تسخیر کی بدولت ہوا ہے۔ ابھی اور بھی میدان آنے والے ہیں اسی طرح یہ ان میں بھی صاحب قوت و حشمت بنتی جائینگی۔

دوسری طرف یہ تعلیم اس قوت کو جسے انسان نے قوانین فطرت کی تسخیر سے حاصل کیا ہے' قوانین خداوندی ہی کے مطابق صرف کرنے کا ہنر دے گی۔ یہ قوانین خداوندی جو قوت کے استعمال کا صحیح راستہ بتاتے ہیں' مستقل اقدار کی صورت میں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جو قومیں جس قدر ان مستقل اقدار کے مطابق تسخیر فطرت سے حاصل کردہ قوت و توانائی کو استعمال کریں گی' ان کا مقام اتنا ہی بلند ہوتا جائیگا۔ یہی تو مقام مومن ہے۔ اس لیے قوانین مکافات کے مطابق عمل خیر کا ماحصل صالحیت ہے۔ مثلاً "چوری کا مال کھانے" کا نتیجہ شرف انسانیت کا زوال ہے۔ 'Disintegration of Personality یعنی ذات کا انتشار ہے۔ یہ قوانین خداوندی یعنی قوانین عمل

ے انحراف کا نتیجہ ہے۔ آج شرف انسانیت کا دارومدار قوانین فطرت کے ساتھ ساتھ قوانین مکافات عمل پر ہے۔ ان قوانین کی رو سے اعمال کے نتائج متعین ہیں اور ان کی اقدار مستقل ہیں۔ آج مغرب میں صلاحیت تو ہے لیکن صالحیت نہیں' اور ہم میں نہ مقام آدم ہے اور نہ مقام مومن۔ جسے مقام آدم نصیب نہیں' اسے مومن کا تصور بھی حاصل نہیں ہو سکتا' سچ کہا تھا اقبال نے:

"جو قومیں اپنے زندہ تصورات کو فرسودہ کر دیتی ہیں' فرسودہ تصورات پھر انہیں زندہ نہیں کر سکتے"۔

صلاحیت رکھنے کے باوجود صالحیت نہیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ (Mumford) ممفورڈ کے الفاظ میں سنئے وہ اپنی کتاب Faith for Living میں یوں لکھتا ہے۔

"ہم نے امریکہ میں ایک نئی نسل پیدا کی ہے۔ عمدہ توانائی' صورت جسم' لیکن دل بالکل خالی۔ وہ نسل جس کے نزدیک زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ یہ "مہذب وحشی" حیوانوں کی سطح پر بسر کر رہے ہیں۔ کبھی دھوپ میں کھڑے آفتابی غسل "Sun [illegible]" لے رہے ہیں سمندر کے ساحل پر یا اپنے ہی [illegible] کے لیمپ کے سامنے۔ کبھی بیکار جنسی میلان کے تحرک [illegible] رقص کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ اپنے لباس کے بارے میں محتاط ہیں۔ یہ احتیاط محض فیشن کی پابندی کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ کھاتے ہیں' پیتے ہیں' شادی کرتے ہیں۔ [illegible] کرتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ ایسی زندگی جی کر جو نصیب ہے تو حیوانی نشاط کی اور اگر ناکام ہے تو حسد' خوف کی ہے۔ حیوانی سطح اور حیوانی تسکین کے علاوہ انہیں [illegible] کی زندگی سے نفرت ہے۔ نیم مردہ ہیں جب کام سے [illegible]تے ہیں۔ ان کے فیشن کی نمائش گاہیں ان کی [illegible] ایسے لوگوں سے بھری رہتی ہیں جن کے سامنے [illegible] ہوتے ہیں' نہ انسانی مقاصد۔"

اب سنئے۔ یہ بدقسمت نوجوان وہ ہیں جن کے The Fall [illegible] کا مصنف ڈین انج' جوڈ کے الفاظ میں یوں نوحہ خواں ہے:

"یہ نوجوان شاہراہ حیات پر بے مقصد چلا جا رہا ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ اور یہ سفر کیوں اختیار کیا ہے۔ نہ اس کا کوئی عقیدہ ہے۔ نہ ضابطہ حیات' نہ معیار' نہ اقدار"۔

اور سنئے Ends and Means کا مصنف' نامور مفکر ہکسلے (Huxley) کیا کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"اس باب میں دور جاہلیت اور دور حاضر میں بس یہ فرق ہے کہ ہم کھلے ہوئے تشدد کی دنیا سے فریب کاری کی دنیا کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں"۔ اس کا لازمی نتیجہ پالی نیورس Polinurus کے الفاظ میں جو اس نے اپنی کتاب Unquiet Grave میں لکھے ہیں:

"عیاشی' عدم یقین' تکان اور توہم پرستی ہے"۔

آپ کو معلوم ہے آج دنیا میں سویڈن (Sweden) ایک فلاحی مملکت (Welfare State) ہے۔ اس میں ضروریات زندگی وافر مقدار میں موجود ہیں اور کیا آپ جانتے ہیں کہ آج دنیا میں جہاں سب سے زیادہ خودکشی (Suicide) کی واردات ہوتی ہیں وہ سویڈن ہی ہے۔

اس کے برعکس جب مسلمانوں نے اپنے صدر اول کے دور ہمایوں میں اپنی تعلیم کی بنیاد ان مستقل اقدار Permanent Values پر رکھی جو قرآن میں درج ہیں تو ان کے افراد کیسے بنے۔ مجھ سے نہیں تاریخ سے پوچھئے۔ میں تاریخ کی چند ایک مثالوں سے اپنی بات یعنی تعلیم کی صحیح سمت واضح کرونگا۔ پہلے دیکھئے مستقل اقدار جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ مثلاً اہل و عیال کے معاملے میں ایک طرف قرآن پاک نے انہیں **زینۃ الحیوۃ الدنیا** (18:46) کہا۔ انہیں آنکھوں کی ٹھنڈک (**قرۃ اعین** 25:74) کا موجب قرار دیا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ یاد رکھو **انما اموالکم و اولادکم فتنۃ** (8:28)۔ یہ انسان کے لئے بہت بڑی آزمائش کا موجب بن جاتے ہیں اور مقاصد حیات میں تمہاری اولاد ا...

بیویاں بعض اوقات تمہاری سب سے بڑی دشمن ہوتی ہیں۔
تمہاری زندگی کے بڑے بڑے مقاصد انہی کے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے تمہارے پاؤں میں ایسی لغزش آتی ہے کہ تم اپنے مقام بلند سے گر کر چکنا چور ہو جاتے ہو اس لئے **فاحذروھم** (64:14) ان سے محتاط رہنا۔

اب اس اصول (مستقل اقدار) کا اطلاق (Applicaton) دیکھئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی تھی جسے ان کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ جب امور خلافت ان کے سپرد ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ امور مملکت میں دخیل ہوتی ہے اور بعض اوقات غلط سفارش کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس نے سخت تنبیہہ کے باوجود اپنی اس روش کو نہ بدلا تو آپ نے اسے طلاق دے دی۔ حضرت عمر فاروقؓ ہی کی ایک دوسری مثال لیجئے۔ قحط کے زمانے میں آپ نے گلی میں ایک بچی کو دیکھا کہ بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے۔ کہا کوئی پہچانتا ہے کہ یہ بچی کون ہے؟ بیٹے نے کہا "یہ عمرؓ کی پوتی ہے"۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہا: "جو حال قوم کے دوسرے بچوں کا، وہی عمر کی پوتی کا ہو گا۔ تنگی ہو گی تو سب پر اور کشادگی ہو گی تو سب کے لئے"۔

اور سنئے! پہلے قانون مکافات عمل دیکھئے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: **لا تکسب کل نفس الا علیھا** (6:165)۔ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔ **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** (6:165)۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ان لوگوں نے اس مستقل قدر کا اطلاق کس طرح کیا؟ حضرت عمر فاروقؓ ہی کی ایک اور مثال لیجئے۔ آپ کے زمانے میں مصر کے گورنر کے بیٹے نے ایک مصری کو یہ کہہ کر ہنٹر سے پیٹا کہ: "تم بڑے لوگوں کی اولاد سے گستاخی سے پیش آتے ہو"۔ آپ نے اس گورنر اس کے بیٹے اور اس مصری کو مدینہ بلوا بھیجا۔ مصری کے ہاتھ میں ہنٹر دیا اور کہا: "اسے اسی طرح مارو اور کہو! "تم نے دیکھ لیا کہ بڑوں کی اولاد کا حشر کیا ہوتا ہے"۔ اس کے ساتھ ہی اس گورنر کو بھی تنبیہہ کی کہ: "اگر تم نے بیٹے کی تعلیم کی ہوتی تو اس کے سر میں یہ خناس کیوں سماتا کہ بڑوں کی اولاد ہے اس لیے انہیں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا حق ہے"۔

صاحبان نظر و فکر! یہ نتیجہ تھا اس تعلیم کا جس کے تحت قوانین فطرت کو مسخر کر کے ان سے حاصل کردہ توانائی کو قرآن پاک کے اصولوں (مستقل اقدار) کی روشنی میں خرچ کیا گیا یہ ہے آج وہ تعلیم کی ایک صحیح جہت۔ آج کی تعلیم کو دیکھتے ہوئے استعارۃً کہتا ہوں۔

تنہائی کے نازک لمحوں میں، کچھ تم ہی ستارو! بات کرو
تم نے تو وہ شب دیکھی ہو گی جس شب کی سحر ہو جاتی ہے
میری شب کی سحر تو نہیں ہوتی۔ "تم نے تو وہ شب دیکھی ہو گی" کچھ بتاؤ تو سہی اس شب کی سحر کیسے ہوا کرتی ہے۔ ہم تو ستاروں سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہم پہ جو شب کی تاریکی طاری ہوئی ہے اس میں نمود سحر کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آ رہی۔

گم ہوئی ہے کہاں کلید سحر
گردش روزگار کچھ تو کہو

میرے قرآنی رفیقو! پڑھ لیجئے ایک اور شعر بھی

گم شدہ راستوں کے ویرانو
داستان غبار، کچھ تو کہو

اب تو ہمارے گم شدہ راستوں کے ویرانوں کی داستان غبار کہنے والا بھی آپ کو کم کم ہی ملے گا۔ یہی ہے تعلیم کی وہ صحیح جہت جسے ہم نے یکسر فراموش کر دیا۔ یاد رکھئے قوانین فطرت کا تعلق طبعی زندگی سے ہے۔ تعلیم جب انہیں اپنے تابع فرمان لاتی ہے تو ان کے نتائج طبعی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کا تعلق اور اطلاق مومن اور کافر پر یکساں ہوتا ہے۔ مومن، فطرت کی ان قوتوں کے ماحصل کو قرآن پاک میں دی گئی مستقل اقدار کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ بس فطرت کی قوتوں کے ماحصل کو استعمال کرنے سے کافر اور مومن کا فرق پڑتا ہے اور یہ کام تعلیم کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ یہی ہے تعلیم کی صحیح جہت۔

-:-

قرآن مجید

زندگی کے بنیادی مسائل اور کائنات کے اہم حقائق سے بحث کرتا ہے اس کی عظمت' صداقت اور حقانیت اس وقت نکھر کر سامنے آ سکتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ ان مسائل اور حقائق کے متعلق

○ انسانی ذہن نے ○

وحی کی مدد کے بغیر' خالص عقلی طریق کار سے کیا سوچا اور وہ کس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ لیکن یہ مسائل اور حقائق اس قدر وسیع اور ان سوچنے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ آپ کے لئے ان سب کا مطالعہ نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مفکر قرآن علامہ پرویزؒ نے آپ کی یہ مشکل بھی آسان کر دی انہوں نے کیا یہ ہے کہ ان مسائل و حقائق کے متعلق' افلاطون سے لے کر عصر حاضر تک کے چوٹی کے مفکرین' مورخین' علمائے اخلاقیات و عمرانیات' معاشیات' سیاسیات اور ماہرین علوم سائنس کی تحقیق کو ایک کتاب میں قلمبند کر دیا ہے۔ جس کا نام ہے

انسان نے کیا سوچا؟

یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دے گی اور آپ کے سامنے یہ حقیقت بھی آ جائے گی کہ عقل انسانی کو وحی کی روشنی کی ضرورت کیوں ہے؟

قیمت (علاوہ ڈاک پیکنگ خرچ) سٹوڈنٹس ایڈیشن Rs. 125/=

قیمت (علاوہ ڈاک پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن Rs. 250/=

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابو شہاب رفیع اللہ

منکرین حدیث کون ہیں؟

(آخری قسط)

(11) شادی سے پہلے منسوبہ کو دیکھنا:- آج اگر کوئی خاندان اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ منسوبہ کو شادی سے پہلے دیکھ لیا جائے تو فوراً" یہ فتویٰ صادر فرما دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی نظروں سے اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں گذری۔

وعن مغیرة ابن شعبة انه خطب امراة فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم انظر الیها فانه احری ان یودم بینکما۔ (رواه الخمسة الا ابا داؤد) نیل الاوطار جلد 6 ص 117-

(ترجمہ) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اس باب میں پوری پانچ احادیث نقل کی ہیں۔ ان احادیث پر عمل کرنے والوں کو آج یہ طعنے دیئے جا رہے ہیں کہ وہ ایسا مغربی تہذیب کی بھونڈی نقالی میں کر رہے ہیں۔

(12) ولی کے بغیر نکاح:- اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ حکم پایا جاتا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ (قرآن کریم کی رو سے صغر سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا اور بالغ کے لئے ولی کی ضرورت نہیں بجز اس کے کہ عورت خود ہی کسی کو اپنا وکیل کار مقرر کر دے۔ طلوع اسلام)

عن ابی موسیٰ عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال لانکاح الا بولی (ایضاً" صفحہ 126)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔

دوسری روایات میں یہاں تک حضور ﷺ نے واضح فرما دیا ہے کہ اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہے (ایضاً" صفحہ 127)۔ ان دوسری احادیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ اجازت صرف کنواری لڑکی سے ضروری ہے' بیوہ یا مطلقہ کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔ احادیث میں اس مسئلہ کی اتنی وضاحت بیان ہوئی ہے کہ یہ ان معدودے چند مسائل سے ہے جن پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اکثر فقہا امت کا مسلک ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وقد ذهب الی هذا علی و عمرو ابن عباس و ابن عمرو ابن مسعود و ابو هریرة و عائشة و الحسن البصری و ابن المسیب و ابی بشرمة و ابن ابی لیلی و العترة و احمد و اسحٰق و الشافعی و جمهور اهل العلم فقالو لا یصح العقد بدون ولی قال ابن المنذر انه لا یعرف عن احد من الصحابة خلاف ذالک۔ (ایضاً" صفحہ 128)

(ترجمہ) حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حسن البصری' ابن المسیب' امام ابن شبرمہ' امام ابن ابی لیلیٰ' ائمہ اہل بیت' امام احمد' امام اسحاق' امام شافعی اور جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے۔

[...] کا کہنا ہے کہ اس پر اجماع صحابہ ہے۔
قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ہمارے مولوی [...] کا مسلک ان احادیث رسولؐ کے خلاف اور صحابہ کرامؓ [...] اور جمہور فقہا کے بالکل الٹ ہے۔ اتنی بہت سی سچی [...] کا انکار کر دینے کے باوجود ان کے اہل حدیث ہونے [...] کوئی فرق نہیں آتا۔

(13) **مسئلہ کفاءت** :- ہمارے ہاں شادیوں میں جو ذات پات کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی بنیاد ہمارے علماء کا یہ مسئلہ ہے کہ شادی کے وقت میاں بیوی میں کم از کم چھ امور میں برابری (کفاءت) ضروری ہے۔ (1) اسلام۔ (2) حسب نسب۔ (3) آزادی۔ (4) پیشہ و حرفہ۔ (5) دیانت۔ (6) مال و دولت۔

یہ مسلک نہ صرف قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ احادیث کے بھی واضح طور پر مخالف ہے۔ قرآنی تعلیمات تو کفوء کے لئے صرف ایک ہی معیار قرار دیتی ہیں یعنی "تقویٰ"۔ صدر اسلام میں شادیوں میں ایسی کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ اس دور میں مساوات کا ایسا اعلیٰ سبق سکھایا جاتا تھا کہ ہاشمی خاندان کی عورتوں کی شادیاں غلاموں تک سے کر دی گئیں۔ حضرت زید کی شادی کا ذکر قرآن مجید میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سنگین مسئلہ جس نے ہمارے معاشرہ میں ذات پات کا نظام مروج کر دیا ہے' خلاف قرآن و سنت ہے تو مولوی صاحبان کے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ ان کی طرف سے اس کی تائید میں یہ ضعیف حدیث پیش کی جاتی ہے۔

وعن ابن عمر انه صلى الله عليه وسلم قال العرب اكفاء بعضهم لبعض قبيلة لقبيلة وحى لحى و رجل لرجل الا حائک و حجام۔ (نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 137)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عرب ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا اور ایک چھوٹا قبیلہ دوسرے چھوٹے قبیلے کا' اور ایک مرد دوسرے مرد کا' بجز نور باف اور حجام کے۔

علامہ شوکانی اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فى اسناده رجل مجهول وهو الراوى له عن ابن جريج۔
(نیل الاوطار جلد 6' صفحہ 137)

(ترجمہ) اس حدیث کا ایک راوی جس نے ابن جریج سے روایت کی ہے' مجہول ہے۔

ابن ابی حاتم نے اس حدیث کے متعلق اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ :

هذا كذب لا اصل له (ایضا")- یہ جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں ایسی ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جو اسلامی مساوات کے چہرے تک کو مسخ کر دیں' اور پھر بھی "اہل حدیث" ہونے میں کوئی کمی واقع نہ ہونا۔ ہمارے علماء کی کیسی شان ہے؟

(14) **اعلان نکاح** :- ہمارے معاشرے میں کسی شادی کے موقع پر اگر کچھ معمولی سا گانا بجانا بھی ہو تو "دیندار" لوگ اس شادی کا بائیکاٹ کرنا اپنا اسلامی فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا ارشاد یہ ہوتا ہے کہ اسلام میں گانا بجانا مطلقاً" حرام ہے۔ اس لئے جس شادی میں یہ حرام چیزیں پائی جائیں گی وہ کیسے اسلامی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر احادیث شریف کو دیکھا جائے تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے' بلکہ بعض مواقع پر اسے ضروری قرار دیا ہے۔ ان بہت سی احادیث میں سے صرف ایک ملاحظہ ہو۔

عن محمد بن حاطب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فصل ما بين الحلال و الحرام الدف والصوت فى النكاح۔ رواه الخمسة الا ابا داؤد۔
(ایضا" صفحہ 199)

(ترجمہ) محمد بن حاطب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ حلال اور حرام نکاح کے درمیان فرق [...] ہے کہ نکاح کے موقع پر دف بجایا جائے یا [...]

اس مضمون کی کئی احادیث ہیں کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ۔ (**اعلنوا النکاح و اضربوا علیه بدف**)۔ امام مالک کا مسلک اسی کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک شادی کے موقع پر دف بجانی لازمی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی اس مسئلہ پر بحث کو یوں ختم کرتے ہیں۔

و فی هذا الحدیث اعلان النکاح بالدف و الغناء المباح۔ و فیه اقبال الامام الی العرس و ان کان فیه لهو ما لم یخرج عن حد المباح۔

(نیل الاوطار۔ جلد 6- صفحہ 201)

(ترجمہ) اس حدیث سے دف اور گانے کے ساتھ نکاح کے اعلان کا جواز ملتا ہے اور جب تک یہ گانا بجانا مباح کی حد سے نہ گزر جائے' اتنے تک امام کے لئے اس میں شرکت جائز ہے۔

احادیث کے ساتھ یہ سلوک صرف متبعین حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ چاہے تمام احادیث کا انکار کر دیں بھلا انہیں کون پوچھ سکتا ہے۔

(15) **تعدد ازواج** :- تعدد ازواج کے بارے میں آیت **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع۔** (پس تم شادی کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار) کی تفسیر کے بارے میں ائمہ تفسیر کے درمیان اتنا اختلاف ہے کہ انہیں بالآخر یہ فتویٰ دینا پڑا کہ چار بیویوں کی اجازت حدیث سے ملتی ہے نہ کہ قرآن مجید سے۔ نواب صدیق الحسن خان صاحب تفسیر فتح البیان میں فرماتے ہیں۔

فاولی ان یستدل علی تحریم الزیادة علی الاربع بالسنة لا بالقران۔ (تفسیر فتح البیان۔ جلد 2- صفحہ 168)

(ترجمہ) پس اولیٰ یہ ہے کہ چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت کے لئے حدیث سے استدلال کیا جائے نہ کہ قرآن سے۔

اب وہ احادیث ملاحظہ ہوں جن میں یہ احکام ملتے ہیں۔ ان میں ایک حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ قیس بن حارث کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ نے اسے ان میں سے صرف چار بیویاں رکھ لینے اور بقیہ کو طلاق دے دینے کا حکم دیا تھا۔ علامہ شوکانی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدیث قیس بن الحارث و فی روایة الحارث بن قیس فی اسناده محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ و قد ضعفه غیر واحد من الائمة۔

(نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 159)

(ترجمہ) قیس بن حارث کی حدیث اور دوسری روایت کے مطابق حارث بن قیس کی حدیث کے ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

یہ تو ہے اس حدیث کی حقیقت جس سے چار شادیوں کا جواز ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ جواز جیسا کچھ بھی ہے' دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت بعض شرائط اور قیود کے ساتھ محدود ہے۔ اس بارے میں ایک اہم حدیث ملاحظہ ہو:

عن المسور بن مخرمة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول وهو علی المنبر ان بنی هشام بن المغیرة استاذنونی ان ینکحوا ابنتهم علی ابن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتهم فانما هی بضعة منی یریبنی ما ارابها و یوذینی ما اذاها۔

(بخاری شریف کتاب النکاح۔ جلد دوم)

(ترجمہ) حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو منبر نبوی پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی حضرت علیؓ سے کر دیں۔ پس میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر حضرت علیؓ چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے

دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ حضرت فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے۔ جو چیز اسے تکلیف پہنچاتی ہے وہ چیز مجھے بھی تکلیف پہنچاتی ہے اور جو اسے ایذا دیتی ہے وہ میرے لئے بھی باعث ایذا ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری شرح البخاری جلد 9- صفحہ 187 مطبوعہ مصر) صاحب فتح الباری نے اس حدیث پر جو لمبی چوڑی بحث فرمائی' اس کا خلاصہ وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :

ومحصل الجواب ان فاطمة كانت اذ ذاك كما تقدم فاقدة من تركن اليه ممن يونسها و يزيل وحشتها من ام او اخت۔ (ایضا")

(ترجمہ) اور تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ان دنوں حضرت فاطمہؓ کی موانست اور ان کی وحشت دور کرنے کے لئے والدہ یا بہنیں نہیں تھیں۔

اس لئے حضور ﷺ نے آپ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو دوسری شادی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس حدیث سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ دوسری شادی کے لئے اپنی پہلی بیوی یا اس کے لواحقین کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کا انفرادی فیصلہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیوں کہ آپ نے اجازت نہ دینے کے اس فیصلہ کا اعلان منبر نبوی پر رونق افروز ہو کر کیا تھا۔

آج جب اس حدیث کے عین مطابق تعدد ازواج پر ایسی پابندیاں لگا دی گئی ہیں تو اس صحیح حدیث کی مخالفت میں ہمارے مولوی حضرات جو شور مچا رہے ہیں' اس کی گونج ہر طرف سے سنائی دے رہی ہے۔

(16) **نکاح شغار** :- نکاح شغار سے مراد یہ ہے کہ دو ... میں لڑکیوں کی شادیاں اس طرح سرانجام دی جائیں کہ ... کا کوئی حق مہر نہ ہو بلکہ ان کا مہر ایک دوسرے کا ... حضور ﷺ نے ایسے نکاح سے واضح الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم نهى عن الشغار و الشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه ابنته و ليس بينهما صداق۔

(رواہ الجماعۃ) (نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 150)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا اور نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کی لڑکی کے عوض بیاہ دے اور ان دونوں کا حق مہر کوئی نہ ہو۔

اس واضح فرمان نبوی کے خلاف ہمارے ہاں اس قسم اور اس سے ملتی جلتی نکاح کی کئی اقسام ابھی تک رائج ہیں اور ان سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں انہوں نے ہمارے معاشرہ کو ہلا دیا ہے۔

(17) **طلاق و خلع** :- بعض حالات میں ایسی صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ نباہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کی اجازت دی ہے۔ اس مضمون کی احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن رشد طلاق اور خلع کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جعل الطلاق بيد الرجل اذ افرك المراة و جعل الخلع بيد المراة اذا فركت الرجل۔

(بدایۃ المجتہد جلد 2- صفحہ 68)۔

(ترجمہ) شریعت نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے جب وہ عورت سے نفرت کرے اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے جب وہ مرد سے نفرت کرے۔

لیکن آج ہم مرد کو تو یہ حق آزادانہ دیتے ہیں اور اگر عورت اس شرعی حق کو استعمال کرنے کی اجازت طلب کرے تو اسے مغربی تہذیب کا مسموم اثر قرار دیا جاتا ہے۔

(18) **طلاق بدعت** :- ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دینے کو طلاق بدعت کہتے ہیں۔ یعنی طلاق دینے کا وہ طریقہ جو

احادیث رسولؐ کے خلاف ہے۔ چونکہ ہمارے علماء کو بھی یہ حقیقت تسلیم ہے اس لئے اس بارے میں احادیث نقل کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو جدا کر دینا نصوص صریحہ کی بنا پر معصیت ہے۔ علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلظہ کے حکم میں۔ لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے طلاق کے لئے مقرر فرمایا ہے"۔ (حقوق الزوجین طبع ہفتم۔ صفحہ 154-155)

اس برائی کو جو احادیث نبویؐ کے سخت خلاف ہے جب قانوناً" ختم کیا گیا تو وہی لوگ جو اس کے متعلق اوپر والے فیصلے دیا کرتے تھے' اسے بحال کرنے کے لئے دوبارہ سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں اور اسے اسلام کی سب سے بڑی خدمت قرار دیتے ہیں۔

(19) بچوں کی تربیت:- بچوں کی تربیت کو جو اہمیت حضور ﷺ دیتے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہو گا۔

انا و امراۃ سفعاء الخدین کھا تین یوم القیمۃ و اوما بالوسطی والسبابۃ امراۃ امت عن زوجھا ذات منصب و جمال حبست لفسھا علی یتاماھا حتی بانوا او ماتوا۔ (سنن ابوداؤد جلد دوم۔ باب فی فضل من عال الیتامی)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ بیوہ عورت جو عزت اور حسن رکھنے کے باوجود اپنے بن باپ کے بچوں کی خاطر دوسری شادی سے باز رہے تاآنکہ وہ بچے بڑے ہو جائیں یا مر جائیں اور ان کی خدمت کرتے کرتے اس کے چہرے کا رنگ بدل جائے تو قیامت کے دن' میں اور وہ بیوہ عورت اس طرح قریب قریب ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں اور آپ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

پہلے سے موجود بچوں کے لئے شادی سے باز رہنا یقیناً مزید بچوں کو پیدا ہونے سے روکنا ہے اور اگر یہ ایثار و قربانی پہلے سے موجود اولاد کی مناسب تربیت کے لئے کی جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے لیکن آج کوئی اس معاملہ کی اہمیت جتا کر خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دے تو اس کے خلاف ملک گیر مہم چلائی جاتی ہے۔

(20) ضبط ولادت:- امت مسلمہ کے چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ کے درمیان اکثر مسائل میں اختلاف ہے لیکن اس مسئلہ کے بارے میں احادیث اتنی واضح ہیں کہ ان کو سامنے رکھتے ہوئے چاروں ائمہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم مسائل ایسے ہیں جہاں یہ چاروں ائمہ اتفاق کرتے ہوں۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

اما العزل فقد حرمہ طائفتہ لکن الائمۃ الاربعۃ علی جوازہ باذن المراۃ۔

(**مختصر الفتاوٰی المصریتہ لابن تیمیہ صفحہ** 426)

(ترجمہ) کچھ اہل علم نے عزل کے جواز کو تسلیم نہیں کیا لیکن مذاہب اربعہ کے ائمہ کے نزدیک یہ بیوی کی اجازت سے جائز ہے۔

یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام جہاں محسوس کرتے تھے کہ آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے وہاں وہ لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دیتے تھے۔ مشہور اسلامی جرنیل عمرو بن العاص نے مصر میں جب یہی محسوس کیا تو آپ نے ان کو یہ خطبہ دیا تھا۔

ایاکم و کثرۃ العیال (فتوح مصر صفحہ 139- والنجوم الزاہرۃ جلد 1 صفحہ 72-)

(ترجمہ) کثرت عیال سے بچو۔

لیکن آج ہمارے مولوی صاحبان اس بارے میں نہ صرف درجنوں احادیث کا انکار کر رہے ہیں بلکہ صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین کی اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اس کی ڈٹ کر مخالفت کر رہے ہیں۔

(21) **کثرت امت** :- ضبط ولادت کے متعلق صحیح اور واضح احادیث کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہیں۔ لیکن ان کی سیاسی مجبوریاں انہیں اس کی مخالفت پر اکساتی ہیں تو وہ کچھ غیر متعلق احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ضبط ولادت کی مخالفت میں چند ایسی احادیث پیش کی جاتی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت امت چاہتے تھے تاکہ وہ قیامت کے دن دوسری قوموں پر فخر کر سکیں۔ یہ حدیثیں تمام کی تمام ضعیف ہیں لیکن چونکہ انہیں اکثر ضبط ولادت کی مخالفت میں پیش کیا جاتا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان تمام احادیث اور ان کے بارے میں ائمہ حدیث کے فیصلے کو نقل کر دیں تاکہ عامتہ الناس کو زیادہ دیر تک دین کے نام پر بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث کی مشہور و مقبول چھ کتابوں یعنی صحاح ستہ میں اس مضمون کی ہمیں ایک حدیث بھی نہیں ملتی۔ یہ دوسرے درجہ کی حدیث کی کتابوں میں، جو غیر معروف ہیں، ملتی ہیں۔ اب ان کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

عن ابن عمر عند الدیلمی فی مسند فردوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حجوا تستغنوا وسافروا تصحوا و تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم۔ (نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 1)

(ترجمہ) مسند فردوس (حدیث کی غیر معروف کتاب) میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ حج کرو غنی ہو جاؤ گے۔ سفر کرو صحت مند ہو جاؤ گے اور نکاح کرو تو زیادہ ہو جاؤ گے۔ پس میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا۔

اس ضعیف حدیث کے متعلق ائمہ حدیث کا فیصلہ بھی سن لیجئے۔

و فی اسنادہ محمد بن الحرث عن محمد بن عبدالرحمٰن السلیمانی وھما ضعیفان۔ (ایضاً)

(ترجمہ) اس حدیث کی اسناد میں محمد بن الحرث نے محمد بن عبدالرحمٰن السلیمانی سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں کے دونوں ضعیف ہیں۔

علامہ شوکانی نے اسی موضوع کی تمام کی تمام احادیث جو تعداد میں پانچ ہیں حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو امامہؓ حضرت حرملتہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عیاض بن غنم کی روایات سے نقل کیا ہے' (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 107) اور ان کے نیچے ائمہ حدیث کے فیصلے بھی نقل کرتے گئے ہیں کہ یہ سب کی سب احادیث ضعیف ہیں۔ ضبط ولادت کی مخالفت کرنے والے علماء کو اکثر میں نے چیلنج کیا کہ وہ حدیث کی کسی مشہور کتاب یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن، ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث دکھا دیں لیکن انہیں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ دیکھئے کس طرح ان حضرات کی سیاسی مجبوریوں نے انہیں صحیح احادیث کے انکار اور جھوٹی احادیث کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ حضرات علی الاعلان یہ خلاف ورزی کر رہے ہیں اور پھر اپنے آپ کو محب حدیث بھی کہتے جا رہے ہیں۔

(22) **مخابرہ** :- مخابرہ کی تعریف شاہ ولی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے :

المخابرۃ ان تکون الارض لواحد والبذر و البقر والعمل من الاخر۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد 2- صفحہ 343)

(ترجمہ) مخابرہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص کی صرف زمین ہو اور دوسرے کی طرف سے ہل چلانے والے جانور، بیج اور محنت ہو۔

ہمارے ملک میں زمین کی کاشتکاری زیادہ تر اسی اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ اس معاملہ کے متعلق کئی احادیث ہیں جن میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں۔

(1) **عن جابر ابن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لم یذر المخابرۃ فلیاذن بحرب من اللہ و رسولہ۔**

(سنن ابوداؤد) مصری جلد دوم صفحہ 235)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص مخابرہ کا معاملہ' یعنی زمین کی بٹائی چھوڑنے پر تیار نہ ہو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کرنے پر تیار ہو جائے۔

(2) **عن زین بن ثابت قال فعلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ قلت وما المخابرۃ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف اوثلث او ربع۔** (ایضاً)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا۔ میں نے سوال کیا کہ مخابرہ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ نصف' یا تہائی یا چوتھائی کی بٹائی پر زمین کی کاشت کرنا۔

ملاحظہ ہو کہ ایک طرف احادیث رسول اللہ ﷺ ایسا معاملہ کرنے والوں کے لئے ایسی سزا کا اعلان کر رہی ہے جو سود کے کاروبار والوں کے لئے قرآن حکیم نے مقرر کی ہے اور دوسری طرف دوسروں کو منکرین حدیث کا طعنہ دینے والے حضرات اس سود کو جائز ثابت کرنے کے لئے کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔

(23) **مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ**:- سود کی حرمت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہیں لیکن ہمارے ہاں اس بارے میں بالکل ہی عجیب و غریب طرز عمل اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک سے سود قرار دے گئے ہیں' صحابہ کرام اور سلف صالحین بھی اسے سودی سمجھتے رہے' آج ہمارے علماء اسے بالاتفاق جائز قرار دے رہے ہیں۔ مخابرہ کے معاملہ کی تفصیل آپ کی نظروں سے گزر چکی ہے۔ اب ایک اور ویسا ہی مسئلہ ملاحظہ ہو۔ اور یہ مسئلہ ہے مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جن ائمہ کی تقلید کا ہم دم بھرتے ہیں وہ بھی اس معاملہ کو سود ہی قرار دیتے ہیں۔ حدیث شریف اور اس کے ساتھ ہی ائمہ احناف کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

و یکرہ اجارتھا ایضا لقولہ علیہ السلام من اجر ارض مکۃ فکانما اکل الربا۔

(ہدایہ اخیرین کتاب الکراہیۃ صفحہ 473)

(ترجمہ) (مکہ شریف کے مکانوں کا) کرایہ لینا ناپسندیدہ امر ہے اس فرمان نبوی کے مطابق' کہ جس نے ان کا کرایہ وصول کیا اس نے گویا سود کھایا۔

اس کے حاشیہ پر یہ حدیث بھی دی گئی ہے۔

روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن مجاھد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ حرام حرمھا اللہ لا یحل بیع رباعھا و اجارۃ بیوتھا۔ (ایضاً)

(ترجمہ) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں مجاہد سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ شریف حرمت والی جگہ ہے۔ اس کے مکانوں کا بیچنا یا ان کا کرایہ وصول کرنا حرام ہے۔

لیکن آج دنیا میں سب سے زیادہ اونچے کرائے انہی مکانوں کے لئے جاتے ہیں اور ہمارے علماء جنہوں نے سود کے چور دروازے بند کرنے کے لئے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں اس سود کی طرف بھول کر ایک اشارہ تک بھی نہیں کرتے۔

(24) **ربٰو الفضل**:- سود کی **تیسری قسم** جسے احادیث رسولؐ میں غیر مبہم الفاظ میں سود کا نام دیا گیا ہے وہ **ربٰو الفضل** ہے۔ ان تمام احادیث کا کم و بیش ایک ہی مضمون ہے۔ یعنی

الذھب بالذھب مثلا بمثل وزنا بوزن یدا بید و الفضل ربوا۔ (ہدایہ اخیرین کتاب الصرف۔ صفحہ 64)

(ترجمہ) سونے یعنی دیناروں کا تبادلہ برابر برابر وزن کے مقابلے اور دست بدست ہونا چاہئے۔ (اور اگر یہ ایسا نہ ہو) بلکہ کچھ زیادہ لیا دیا جائے تو یہ سود ہے۔

دوسری روایات میں چاندی کے الفاظ ہیں جن سے مراد درہم کے سکے ہیں۔

اس سود کی تشریح مولانا مودودی صاحب کی زبانی سنئے:

"قدیم زمانے میں تمام سکے خالص چاندی سونے کے ہوتے تھے اور ان کی قیمت دراصل ان کی چاندی اور ان کے سونے کی

ہوتی تھی۔ اس زمانے میں درہم کو درہم سے اور دینار کو دینار سے بدلنے کی ضرورت ایسے مواقع پر پیش آتی جبکہ مثلاً کسی شخص کو عراقی درہم کے عوض رومی درہم درکار ہوتے یا رومی دینار کے بدلے ایرانی دینار کی حاجت ہوتی۔ ایسی ضرورتوں کے مواقع پر یہودی ساہو کار اور دوسرے ناجائز نفع کمانے والے کچھ لوگ اس طرح کا ناجائز منافع وصول کرتے تھے جیسا کہ موجودہ زمانے میں بیرونی سکوں کے مبادلہ پر بٹاون لی جاتی ہے یا اندرون ملک میں روپیہ کی ریزگاری مانگنے والوں یا دس اور پانچ کا نوٹ بھنانے والوں سے کچھ پیسے یا آنے وصول کر لئے جاتے ہیں۔ یہ چیز بھی چونکہ سود خوارانہ ذہنیت کی طرف لے جانے والی ہے اس لئے نبی ﷺ نے حکم دے دیا کہ نہ تو اس چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے سے کمی بیشی سے جائز ہے اور نہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا درست ہے"۔ (سود جدید ایڈیشن صفحہ 157)

جدید زمانہ کی اصطلاح میں اس کاروبار یعنی **ربٰو** الفضل کو زرمبادلہ کا ناجائز کاروبار کہا جاتا ہے۔ یہ ناجائز کاروبار اگرچہ دنیا کے ہر حصے میں ہوتا ہے لیکن جس وسیع پیمانے پر حج کے موقع پر ہوتا ہے' اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن کسی اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نہیں بخشی کہ وہ اس خلاف حدیث عمل کے خلاف آواز اٹھائے۔

(25) حرمت شراب :- شراب کی حرمت کے بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اتنے واضح اور مشہور ہیں کہ شاید ہی کسی مسلمان کو اس بارے میں شک ہو لیکن فقہ کی کتابوں میں ہم یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ہمارے فقہاء رحمھم اللہ نے اس کی بعض صورتوں کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ خاص طور پر اس بارے میں جو اقوال امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں' طبیعت انہیں ماننے پر تیار نہیں ہوتی۔ فقہاء نے اپنے فیصلے کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ شراب صرف وہی حرام ہے جو انگوروں اور کھجوروں سے بنائی جائے۔ باقی جس چیز کی بھی بنائی جائے اور چاہے وہ نشہ آور ہی کیوں نہ ہو' وہ ان کے نزدیک حلال ہے۔

ان ما یتخذ من الحنطة و الشعیر و العسل و الذرة حلال عند ابی حنیفته ولا یحد شاربه عنده و ان سکرمنه۔ (ہدایہ مع تکملہ فتح القدیر جلد 8 صفحہ 160)

(ترجمہ) گیہوں' جو' باجرہ اور شہد سے جو شراب بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر کوئی شرعی حد نہیں لگے گی چاہے اس کے پینے سے نشہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہی نہیں' بلکہ جن دو چیزوں (یعنی انگور اور کھجور) کی شراب کی حرمت کو فقہاء نے تسلیم کیا ہے' اگر انہیں ملا کر شراب بنائی جائے تو پھر وہ بھی حرام نہیں رہتی۔

ولا باس بالخلیطین لما روی عن ابن زیاد انه قال سقانی ابن عمرؓ شربة ما کدت اهتدی الی منزلی۔ ففدوت الیه من الفد فاخبرته بذالک فقال ما زدتک علی عجوة و زبیب و هذا نوع من الخلیطین وکان مطبوخا۔ (ایضاً) ص 161)

(ترجمہ) اور انگور اور کھجور کی آمیزہ شراب (خلیطین) میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن زیاد سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے مجھے ایک مشروب پلایا کہ میں نشہ کی وجہ سے گھر کے راستہ سے بھٹک گیا۔ دوسرے دن ان کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا کہ ہم نے تجھے کھجور اور انگوروں کا ملا ہوا پختہ مشروب ہی تو پلایا تھا جو خلیطین ہی کی ایک قسم ہے۔

یہ تو ہم نے صرف ایک دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں اس باب پر نظر ڈالئے تو صفحے کے صفحے ایسی جواز کی صورتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور شاید ہی کوئی صورت بچ رہتی ہو جس میں اس شرعی حد کے نافذ ہونے کا امکان ہو۔ کیا ہمارے علماء قرآن و حدیث کے صریح خلاف ان جواز کی صورتوں کی کوئی شرعی دلیل لا سکتے ہیں؟

(26) شراب اور سرکہ :- شراب کو جائز قرار دینے کی ایک صورت یہ نکالی جاتی ہے کہ اس میں تھوڑا سا نمک ڈال

دیا جائے تو وہ سرکہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

و اذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسها او بشی یطرح فیها ولا یکره تخلیلها وقال الشافعی یکره التخلیل ولا یحل الخل الحاصل به۔

(ہدایہ مع تکملتہ فتح القدیر جلد 8 صفحہ 166)

(ترجمہ) اگر شراب کو سرکہ میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ حلال ہے چاہے وہ خود بخود سرکہ بن گئی ہو اور یا اس میں کوئی چیز ڈال کر۔ اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سرکہ بنانا مکروہ ہے اور شراب سے حاصل شدہ سرکہ حلال نہیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ احادیث رسولؐ اس بارے میں کیا فرماتی ہیں۔ ان کی رو سے تو شراب کا سرکہ بنانا مطلقاً" حرام ہے۔

عن انس بن مالک ان ابا طلحة سال النبی صلی الله علیه وسلم عن ایتام ورثوا خمرا۔ قال احرقها قال افلا اجعلها خلا؟ قال لا۔ (سنن ابو داؤد جلد 2- صفحہ 293)

(ترجمہ) حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بعض یتیموں کی شراب' جو انہیں وراثت میں ملی تھی' کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے گرا دیا جائے۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اس کا سرکہ بنانے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔

معلوم نہیں وہ علماء حضرات جو دوسروں پر "منکرین حدیث" کے فتوے لگانے کا شغل اختیار کئے ہوئے ہیں' انہوں نے کبھی ان فیصلوں کو بھی محسوس کیا ہے یا نہیں جو احادیث کے صریحاً" خلاف ہیں۔

(27) بادشاہ کے خدائی حقوق:- قبیلہ مخزوم کے ایک اونچے گھرانے کی عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی تو اس کو معاف کرانے کے لئے جب حضورؐ کے پاس سفارشیں پہنچنے لگیں تو آپؐ نے منبر نبوی پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا۔

انما هلک من کان قبلکم بانه اذا سرق فیهم الشریف ترکوه و اذا سرق فیهم الضعیف قطعوه والذی نفسی بیده لو کانت فاطمة بنت محمد لقطعت یدها فقطع یدالمخزومیة۔

(رواہ احمد و مسلم والنسائی۔) (نیل الاوطار جلد 7 صفحہ 138)

(ترجمہ) تم سے پہلے کی قومیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی بڑا چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کم حیثیت کا آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میری بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ پس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث ہیں جن میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جہاں تک شرعی حدود کا معاملہ ہے ان میں شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہیں۔ لیکن جب ہم فقہ کی کتابوں کے ورق الٹتے ہیں تو ہمیں یہ فرق نمایاں ملتا ہے اور ہمارے ہاں بھی وہی کچھ مروج ہو گیا جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا اور بادشاہوں کو اکثر شرعی حدود سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ ہدایہ شریف کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

وکل شیی صنعه الامام الذی لیس فوقه امام فلا حد علیه الا القصاص فانه یوخذ به و المال۔

(ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد 4 صفحہ 160)

(ترجمہ) امام المسلمین جو کسی دوسرے امام کے تحت نہیں (یعنی خود مختار بادشاہ) اگر کوئی جرم کرے تو اس پر کوئی شرعی حد نافذ نہ ہو گی سوائے قتل یا لوگوں کے اموال کے۔

علامہ ابن ھمام صاحب شرح فتح القدیر نے ان جرائم میں زناکاری' شراب خوری' کسی پر ناجائز تہمت لگانا' یا چوری کا مرتکب ہونا وغیرہ شمار کیا ہے۔ (ایضاً")

اب فقہا کا یہ فتویٰ عنوان بالا کی احادیث کے سخت خلاف ہے۔ اب معلوم نہیں ہمارے مولوی صاحبان کس چیز کو صحیح سمجھتے ہیں۔

(28) موسیقی کی حلت و حرمت:- موسیقی کی حرمت

کے بارے میں ہمارے مولوی صاحبان جو غلو برتتے ہیں ان سے قارئین واقف ہونگے لیکن یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ وہ اس کی حرمت کے بارے میں جو احادیث پیش کرتے ہیں وہ ائمہ حدیث کے نزدیک تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

و فی الباب احادیث کثیرة و قد وضع جماعة من اهل العلم فی ذالک مصنفات ولکنها ضعیفها جمیعا بعض اهل العلم حتی قال ابن حزم لا یصح فی الباب حدیث ابدا و کل ما فیه فموضوع۔

(نیل الاوطار جلد 8 صفحہ 104)

(ترجمہ) موسیقی کی حرمت کے بارے میں بہت سی احادیث پیش کی جاتی ہیں اور بہت سے علماء نے اس موضوع پر پوری کتابیں لکھی ہیں لیکن بعض ائمہ حدیث نے ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے یہاں تک کہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے' بلکہ سب کی سب جھوٹی ہیں۔

اس کے مقابلہ میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جو موسیقی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان احادیث کو نقل کرنے کے بجائے ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی' جو خود ہمارے علماء کے نزدیک بھی معتبر ہستی ہیں' کا ایک مختصر سا فیصلہ نقل کرتے ہیں۔ آپ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"ایک مسلک تو فقہاء کا ہے جو غناو مزامیر کے سخت منکر ہیں اور اس معاملہ میں تعصب اور عناد کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ اس فعل کو گناہ کبیرہ اور اس کے جواز کے عقیدہ کو کفر' زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہاء کا یہ طرز عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے۔ دوسرا مسلک محدثین کا ہے جو کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا نص صریح موجود نہیں اور جو کچھ ہے تو وہ یا موضوع ہے' یا ضعیف۔"

(مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ 245)

اگر دیانتداری سے دیکھا جائے تو احادیث کے ساتھ یہ طرز عمل کہ صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں ضعیف اور جھوٹی احادیث کو بنیاد تسلیم کرنا انکار حدیث کی سب سے خطرناک صورت ہے۔

(29) انکار حدیث کی سب سے خطرناک صورت:۔

جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی اشارہ کیا ہے' حدیث کے انکار کی یہ سب سے خطرناک صورت ہے کہ صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں ضعیف اور جھوٹی احادیث اختیار کر لی جائیں۔ لیکن وہی لوگ جو اٹھتے بیٹھتے دوسروں کو منکر حدیث قرار دیتے رہتے ہیں۔ خود اسی اصول پر علی الاعلان عمل کرتے ہیں۔ اس بارے ان کے ارشادات ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں:

"جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا قول یا کونسا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنت نبوی سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپؐ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح' روح محمدیؐ میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اس طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا بہت زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب' ضعیف' منقطع السند' مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل' غیر شاذ' متصل السند' مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس

کے جام زریں میں جو بادہ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی"۔
(تفہیمات جلد اول صفحہ 296)۔

مودودی صاحب کے ان خوبصورت الفاظ کا خلاصہ وہ فقرہ ہے جس کے نیچے ہم نے خط کھینچا ہے۔ یعنی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے لئے اسناد کوئی لازمی امر نہیں۔ حالانکہ ائمہ حدیث کے نزدیک احادیث کی صحت اور ضعف کا سب سے بڑا معیار یہی اسناد ہیں جس کی چھان پھٹک کے لئے ہزاروں ائمہ حدیث نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ لیکن ان حضرات کو اس معیار کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ وہ چاہیں تو جھوٹی حدیث کو صحیح قرار دے دیں اور صحیح کو غلط۔ لاکھوں راویان حدیث کی زندگیوں کے حالات جمع کرنے میں جو محنتیں صرف ہوئیں وہ سب بے کار ہو گئیں۔ ان حضرات کا مسلک "منکرین حدیث" سے بھی زیادہ خطرناک اس لئے ہے کہ وہ کسی حدیث کے خلاف حدیث کا انکار کریں گے تو اس کے وضعی ہونے کی دلیلیں قرآن مجید سے لائیں گے اور یہ صاحب نہ صرف اپنے مطلب کے خلاف حدیث کا انکار کریں گے بلکہ اس کے مقابلہ میں کوئی مفید مطلب جھوٹی حدیث نکال لائیں گے۔ اور اگر ہمارے سب فرقوں کے اہل علم اپنے آپ کو مزاج شناس رسولؐ سمجھنے لگ گئے تو پھر احادیث کا خدا حافظ ہے اور اسلام کی جو مسخ شدہ صورت سامنے آئے گی' اس کے متعلق کسی پیش گوئی کی ضرورت نہیں۔

(30) انبیاء کے وارث :- احادیث کے ساتھ جو سلوک ہمارے علماء کرتے ہیں اس کی تفصیل ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ یہ حضرات اپنی بات منوانے کے لئے اکثر و بیشتر ایک حدیث **العلماء ورثة الانبیاء** (علماء نبیوں کے وارث ہیں) پیش کیا کرتے ہیں۔ اس حدیث کے ذریعہ عامتہ الناس کے دلوں میں علماء کے لئے عقیدت پیدا کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان حضرات کے منہ سے جو کچھ نکلے' کسی کو اس سے اختلاف کی جرات نہ ہو۔ چاہے ان کے ارشادات اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

اس مضمون کے آخر میں ہم نے مناسب سمجھا کہ اس حدیث کے بارے میں ائمہ حدیث کی تحقیق نقل کرتے جائیں۔ علامہ شوکانی نے اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

العلماء ورثة الانبیاء۔ اخرجه احمد' و ابو داؤد' والترمذی و ابن حبان من حدیث ابی الدرداء۔
(نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 139)

(ترجمہ) علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس حدیث کو احمد' ابو داؤد' ترمذی اور ابن حبان نے ابو درداء کی روایت سے بیان کیا ہے۔

یہ حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

و ضعفه الدار قطنی فی العلل۔
(نیل الاوطار جلد 6- صفحہ 139)

دار قطنی نے العلل میں ابو درداء کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قال المنذری وهو مضطرب الاسناد۔ (ایضاً)- المنذری کا کہنا ہے کہ وہ مختلف احادیث کی اسناد میں گڑبڑ کرتا تھا۔

و ذکره البخاری فی صحیحة بغیر اسناد۔ (ایضاً)- اور امام بخاری نے اس حدیث کو بخاری شریف میں بغیر اسناد کے بیان کیا ہے۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہیں۔)

لیکن ہمارے علماء ہیں کہ کس طرح اپنی شان بڑھانے کے لئے ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا مشہور فرمان ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

تصحیح :- بصد معذرت التماس ہے کہ طلوع اسلام دسمبر 1999ء میں محترم ایاز حسین انصاری کے مضمون "جماعت اسلامی کی چیف ایگزیکٹو پر بے جا تنقید" کے پہلے صفحے کے کالم 1 کی آخری لائن کے آخر میں 1922ء کو 1962ء پڑھا جائے۔ شکریہ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر مقبول الٰہی

پرویزؒ صاحب کے ساتھ ایک شام

3 اکتوبر 1975ء کا دن میری زندگی کا ایک اور یادگار دن تھا۔ کیونکہ آج ایک مرتبہ پھر فکر و کردار کے لحاظ سے اس دور کی عظیم ترین شخصیت سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ "بزم طلوع اسلام لاہور چھاؤنی" نے حسب معمول آج جمعہ کے موقع پر محترم پرویزؒ صاحب کو دعوت افطار دی۔ آج صبح ہی سے اس دعوت کا انتظار شدت سے بیتاب کر رہا تھا اور وفور شوق سے دن کٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا' اس عظیم ہستی کے ساتھ شرف ملاقات نصیب ہونا تھا جو اقبالؒ کے مرد مومن کی زندہ تفسیر تھا اور اس دور میں قرآن فہمی میں جس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دعوت کا اہتمام نمائندہ بزم طلوع اسلام لاہور چھاؤنی جناب میجر محمد یوسف ڈار صاحب کے مکان واقع آفیسرز کالونی لاہور چھاؤنی پر تھا۔ میں محترم امیر الدین صاحب کے ساتھ 4 بجے وہاں پہنچ گیا۔ پہلے بزم کی میٹنگ ہوئی اور کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھیک پانچ بجے محترم پرویزؒ صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ناظم ادارہ محترم خلیل صاحب بھی تھے اور چند دوسرے احباب بھی تھے۔ بہتر سال (72) کا یہ "نوجوان"۔ کیونکہ سوائے بالوں کی سفیدی اور آنکھوں کے چشمے کے اور کوئی علامت بڑھاپے کی اس شخص میں نظر نہیں آئی' نہ جسم میں' نہ عزائم میں' نہ خیالات میں اور نہ کام کی رفتار میں۔ اپنے ڈھیلے ڈھالے سفید کرتے اور پاجامے میں ملبوس تھا۔ سر پر جناح کیپ' گٹھا ہوا جسم' درمیانہ قد' علم و حکمت کا یہ پیکر' شفقت و مروت کا بھی مجسمہ تھا۔ انہوں نے سب کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی اور بے تکلفی سے ہاتھ ملایا اور نشست گاہ کی طرف چل پڑے۔

گفتگو سوشلزم اور کمیونزم کے بارے میں چل نکلی۔ فرمانے لگے کہ ہمارے ہاں تو خیر سوشلزم محض مصلحت کوشانہ رنگ میں آیا ہے (یعنی سوشلزم کا محض نام لیا جاتا ہے' اس کا نفاذ نہیں ہوتا)۔ جن ممالک میں یہ حقیقتاً آیا ہے۔ وہاں کے حالات ہی اس کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔ روس کی مثال کو لے لیجئے وہاں اب بھی Wages مزدور نہیں بلکہ آجر کی مرضی سے متعین کئے جاتے ہیں اور پھر مختلف طبقات کے درمیان اجرتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مزدور کے حق میں سوشلزم کا ایک اور Disadvantage یہ ہے کہ آزاد سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کو کم از کم یہ آزادی ہوتی ہے کہ اگر ایک آجر کم Wages دیتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر دوسرے آجر کے ہاں کام کر سکتا ہے۔ لیکن سوشلزم میں اس سے یہ آزادی بھی چھین لی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک ہی آجر ہوتا ہے یعنی State۔ فرمانے لگے کہ ہمارے ہاں بھی آئے دن' ہنگاموں' ہڑتالوں اور فسادات کی وجہ یہی ہے کہ مزدوروں پر دوسرے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں انہوں

نے نفسیات کی ایک شاخ Behaviourism کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ (Psychologists) نے مختلف جانوروں پر جو تجربات کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوہوں کو اگر کسی ایسی جگہ پر بند کر دیا جائے جو ان کیلئے ناکافی ہو تو آپس میں ایک دوسرے کو کاٹ کھاتے ہیں لیکن اگر انہی چوہوں کو کسی کھلی جگہ چھوڑ دیا جائے تو وہ نہائت امن و سکون سے رہتے ہیں۔ چین کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں نظام' نظام کی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ Personality Cult کی بنا پر چل رہا ہے اور خود ماؤزے تنگ کو بھی اس کا احساس ہے کہ اب وہاں کے لیڈروں کا گروپ جو انقلاب کے Pioneers تھے سارے کے سارے اب ستر (70)' اسی (80) کے پیٹے میں ہیں اور خود انہیں یہ فکر لاحق ہے کہ ان کے بعد اس نظام کا کیا ہو گا۔ اس نظام کی بنیادی خامی یہ ہے کہ اس میں اپنی وافر دولت State کو دینے کا کوئی Incentive (جذبہ محرکہ) نہیں ہے۔ اب تک وہاں یہ کچھ قانون کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ لیکن قانون کی بنیاد پر نظام نہیں چل سکتا کیونکہ قانون Exceptional Cases کیلئے ہوتا ہے۔ جیسے دوائی صرف مریضوں کیلئے ہوتی ہے۔ پوری قوم کو دوا کے سہارے زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔

میں ان کی یہ فکر انگیز باتیں سن رہا تھا اور محویت تھا کہ یہ شخص قرآن کے بحر ذخار میں غواصی کرنے کے ساتھ ساتھ خارجی دنیا کے احوال و کوائف سے کتنی بھرپور آگہی رکھتا ہے اور قدرت نے اسے کس قدر عقابی نگاہیں عطا کی ہیں جو دل چیر جاتی ہیں اور قوموں کے حال اور مستقبل کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہیں۔ واقعی قرآن کی روشنی میں دیکھنے والا شخص دوسرے لوگوں کی نسبت بہت دور تک دیکھ سکتا ہے اور میں اس بات پر حیران تھا کہ یہ شخص جو چند فقروں کے اندر اسلام اور سوشلزم کے فرق کو واضح کرتا چلا جاتا ہے--- کیا وہی شخص ہے جس پر "ملک کے جلیل القدر علماء" سوشلسٹ' اور سوشلسٹوں کا پٹھو' کے لیبل لگا چکے ہیں۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجا ست تا بہ کجا

میجر یوسف ڈار صاحب نے سوال کیا کہ قرآن میں جنتیوں کے متعلق ہے کہ وہ "فرادیٰ" آئیں گے۔ موجودہ زندگی میں تو اسلام نے اجتماعی نظام پر زور دیا ہے لیکن جنت میں ہر شخص تن تنہا ہو گا' یہ کیوں؟ پرویز صاحب نے فرمایا کہ "فرادیٰ" سے یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ لوگ تن تنہا ہوں گے بلکہ جنت کی زندگی بھی اجتماعی ہو گی "فرادیٰ" آنے سے مراد یوں سمجھئے جیسے ہمارے ہاں دنیوی زندگی میں امتحان ہوتے ہیں۔ امتحان دینے میں ہر شخص "فرادیٰ" ہوتا ہے اور صرف وہی " افراد" اگلی "جماعت" میں جانے کے قابل ہوتے ہیں جو اس معیار پر پورے اترتے ہیں جو ان کیلئے مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح جنتی معاشرے میں بھی وہی لوگ داخل ہوں گے جو "جنتی" کے معیار پر پورے اتریں گے۔ **فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** ○ (89:30)- سے یہی مفہوم ہے۔

"Individuality" کی بات چلی تو فرمایا کہ ہمارا دور اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ علم نفسیات پر اس دور میں کافی تحقیق ہو چکی ہے۔ کہنے لگے کہ خود مجھے بھی پہلے قرآن کی اس آیت کی سمجھ نہیں آتی تھی جس میں کہا گیا ہے کہ "وہ اپنے نفس کے ساتھ لڑتے ہوئے آئیں گے" میں سوچتا تھا کہ "وہ" کون ہیں اور وہ "نفس" کونسا ہے؟ جس کے ساتھ وہ لڑتے ہوئے آئیں گے اور دونوں میں کیا فرق ہے۔ لیکن آج کل کی نفسیات کی تحقیق نے یہ عقدہ حل کر دیا ہے اور Psychologists نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے

Conscious اور Sub-Conscious میں ایک مسلسل جنگ جاری ہے اور اس آیت سے یہی جنگ مراد ہے۔ موجودہ زندگی میں عام انسانوں کا Conscious ان کے Sub-Conscious پر غالب آیا ہوا ہے لیکن جنتیوں کا Sub-Conscious ان کے Conscious پر غالب آیا ہوا ہو گا۔ فرمانے لگے کہ علم نفسیات کی جدید تحقیقات اتنے عظیم انکشافات کر رہی ہیں کہ ابھی کچھ اور زندہ رہنے کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا' مشکل یہ ہے کہ نفسیات کی آزادانہ تحقیقات کیلئے کم و بیش کسی بھی ملک میں سازگار حالات نہیں ہیں۔ کیونکہ سیاسی یا کسی اور دباؤ کے تحت آزادانہ تحقیقات نہیں ہو سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ Totalitarian States میں کوئی نفسیات دان پیدا نہیں ہوا۔ امریکہ نے کچھ آزادی دی تھی لیکن وہاں بھی اب سائیکالوجی صرف Commercial Psychology تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

گفتگو ہو رہی تھی کہ مغرب کی اذان ہو گئی اور تمام احباب افطاری کیلئے ڈائننگ ہال کی طرف چل دیئے۔ افطاری سے فارغ ہو کر بیٹھے تو میجر ڈار صاحب نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہماری مذہبی پیشوائیت قرآن کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے سمجھنے سے قاصر ہے۔ فرمانے لگے "ہاں یہ ٹھیک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں دو قسم کے احکام ہیں ایک حصہ Universal Ethics ہے اور دوسرا Social Laws پر مشتمل ہے۔ Scial Laws سے مراد ہے Universal Ethics کو کسی خاص معاشرے میں عملی شکل دینا مثلاً" جان کا تحفظ (اپنی اور دوسروں کی) Universal Ethics ہے لیکن Keep to the left پاکستان میں اس کی عملی تنفیذ ہے (دوسرے ممالک میں Keep to the right ہے) یا مثلاً" یہ اصول کہ ہمیشہ سچی گواہی دو خواہ وہ خود تمہارے ہی خلاف کیوں نہ ہو Universal Ethics ہے۔ دنیا کا ہر عقلمند شخص اس کو تسلیم کرے گا لیکن کسی ملک میں گواہی دینے اور حاصل کرنے کا طریق اس کے اپنے Social Ethics کے مطابق ہو گا۔ اسی طرح نماز' روزہ وغیرہ Social Laws ہیں جو اسلامی معاشرہ میں نظم و ضبط پیدا کرنے کیلئے رکھے گئے ہیں اور ہمارا مذہب پرست طبقہ اسی کو اسلام سمجھتا ہے۔ دوسروں کو اسلام کی صداقت کا قائل کرنے کیلئے Social Laws نہیں بلکہ Universal Ethics پیش کرنے کی ضرورت ہے اور ملا اس صلاحیت سے محروم ہے۔ قرآن میں Social Laws کے ضمن میں **یا ایھا الذین اٰمنو** کہہ کر خطاب کیا گیا ہے جبکہ Universal Ethics کے ضمن میں "الناس" کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اسی طرح Social Laws کے سلسلے میں "کتب" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

محمد شریف لون صاحب نے سوال کیا کہ جس نہج پر آپ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں آیا اسی قسم کی کوئی کوشش کسی اور اسلامی ملک میں بھی ہو رہی ہے؟ تو فرمانے لگے کہ نہیں کیونکہ مسلمان قوم پر ایک ہزار سال سے ملوکیت چھائی ہوئی ہے۔ آج بھی ان کی منڈیوں میں انسان غلاموں کی حیثیت سے بکتے ہیں۔ لہٰذا یہ قوم آزادی سے سوچنے کے قابل ہی نہیں رہی۔

لون صاحب نے ان کی کتاب Islam: A Challenge To Religion کی غیر ممالک میں مقبولیت کا ذکر کیا اور اندرون پاکستان اس فکر کی نشرواشاعت کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ کتاب واقعی غیر ممالک میں کافی مقبول ہے اور غیر ممالک سے بہت سے اہل علم مجھے اس کتاب کے حوالے سے مجھے ملنے آتے ہیں اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں دوسرا لٹریچر بھی دوسری زبانوں میں لکھوں۔ میں اپنے وسائل کی کمی کا ذکر کرتا ہوں تو وہ حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں

ایک اسلامی مملکت میں آپ کیلئے اتنی Facilities نہیں ہیں کہ آپ اسلام کی اشاعت کر سکیں۔ میں قومی غیرت کی بنا پر ان کو اصل وجہ نہیں بتا سکتا۔ اس ملک میں دراصل قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ "جماعت اسلامی" ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے کے جمعیت طلبہ کے ممبر اور عہدیدار آج کل کی بیوروکریسی میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ میں ان کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ میری ذات سے ان کو قرآن کریم سے تعلق ہونے کی بنا پر زبردست کد ہے۔ لہٰذا جب کبھی قرآن کی نشرواشاعت کا کوئی موقع فراہم ہوتا ہے تو یہ لوگ رکاوٹ بن جاتے ہیں' مثلاً" بعض اوقات خود حکومت کے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ پر لکھنے یا بولنے کیلئے پرویزؒ سے بڑھ کر کوئی اتھارٹی نہیں ہے لہٰذا پرویزؒ کو ایسی تقریبات پر لکھنے یا بولنے کا موقعہ ملنا چاہئے' تو بیوروکریسی کے لوگ معاملے کو یہ کہہ کر ٹھپ کر دیتے ہیں کہ یہ شخصیت متنازعہ ہے لہٰذا فساد پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

ڈار صاحب نے خلیل صاحب سے علامہ اقبالؒ کی نظم سنانے کی فرمائش کر دی۔ خلیل صاحب نے پرسوز آواز میں اقبالؒ کی وہ مشہور غزل سنائی جس کا مطلع ہے

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

غزل کے ایک ایک شعر پر پوری محفل جھوم رہی تھی۔ غزل ختم ہوئی تو ڈار صاحب نے پرویزؒ صاحب سے اس شعر کے بارے میں استفسار کیا: ؎

علاج ضعف یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

پرویزؒ صاحب زیر لب مسکرائے اور کہا کہ اس کے مفہوم کو آپ چھوڑیئے' آپ نے خلیل صاحب کی مترنم آواز میں اقبالؒ کی غزل سنی اور سر دھنا۔ بس یہی شاعری کا مقصد ہے۔ ہم لوگ کچھ حیرت اور تعجب اور استفسار کی نظروں سے پرویزؒ صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر ڈار صاحب نے پوچھ ہی لیا "اقبال تو قرآن کی ترجمانی کرتا ہے نا؟" پرویزؒ صاحب نے فرمایا' اقبال بہرحال شاعر تھا ان کی شاعری کا بیشتر حصہ اگرچہ قرآن پر مشتمل ہے لیکن کہیں کہیں وہ شاعری کرتے ہیں اور کیونکہ "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" لہٰذا وہ بھی تصوف کی وادیوں کی سیر کرتے ہیں۔ لہٰذا اقبال یا کسی شاعر کو In To To نہیں لینا چاہئے۔ اقبالؒ شروع شروع میں تو تصوف کے بہت حامی تھے۔ بعد میں وہ تصوف کے یکسر خلاف ہو گئے اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا لیکن آخری عمر میں وہ پھر تصوف کی وادیوں میں لوٹ آئے۔ فکر میں اقبالؒ کا مقام بہت بلند ہے۔ انہوں نے ہمیں بھی (پرویزؒ صاحب کو) قرآن سمجھنے کا یہی طریق (فکری طریق) بتایا لیکن بعد میں پھر وہ تصوف کی وادیوں میں لوٹ گئے۔ کیونکہ آخری عمر میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور تصوف کا نشہ پھر غالب آنے لگتا ہے۔ فکر کی دنیا بہت خشک اور Tough ہے۔ اقبالؒ جب تصوف کے رنگ میں ہوتے ہیں تو رومی کو رازی پر فوقیت دیتے ہیں۔ رومی تصوف کی یا دوسرے لفظوں میں عقل کے مقابلے میں عشق کی نمائندگی کرتے ہیں اور رازی عقل و فکر کی۔ اقبالؒ خود کافی عرصہ اسی کشمکش میں مبتلا رہے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: ؎

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی کبھی پیچ وتاب رازی

اقبالؒ کے Six Lectures کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ ان کی فکر کی انتہا کی بلند پایہ کتاب ہے۔ اور مغربی دنیا ان کو اسی کتاب کے حوالے سے جانتی ہے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرتی ہے لیکن انہوں نے ساتواں لیکچر

لکھ کر (جو کہ تصوف پر تھا) گویا دودھ کے بھرے ہوئے برتن میں دہی کی چھینٹ ڈال دی' جس سے سارا دودھ دہی بن گیا۔

میرے لئے اور میرے ساتھ پوری محفل کیلئے اقبالؒ کے متعلق یہ انکشافات نئے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ اقبالؒ شناسی کے سلسلے میں بہت مفید و معاون۔ پرویزؒ صاحب نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اقبالؒ کو سمجھنا چاہے تو پہلے اس کے سامنے قرآن ہونا ضروری ہے۔

بات قرآن کی عظمت کی چل نکلی تو فرمانے لگے کہ میں تو ایک فقرے میں یوں کہا کرتا ہوں کہ قرآن کا سب سے بڑا احسان انسان پر یہ ہے کہ اس نے اسے اپنے مقام سے آشنا کر دیا۔ کہنے لگے انسان نے انسان پر تحقیقات اب شروع کی ہیں جب یورپ مذہب عیسائیت کے چنگل سے نکلا لیکن وہ Materialism کی طرف چلا گیا لہٰذا اس کی تحقیقات زیادہ تر انسان کی Animality کے بارے میں ہیں۔ موجودہ دور میں Psychology نے انسان کے Mind پر ریسرچ شروع کی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کم از کم وہ Material Point of View سے ہٹ کر تحقیق کرے گا لیکن اس میں وہ پھر Material کے Mind Aspect میں الجھ کر رہ گیا لہٰذا Mental سے مراد اب خالصتاً" دماغی امراض ہوتے ہیں جن کا علاج ڈاکٹر ہی سے ہوتا ہے۔ اب Psychologists کو انسانی نفس کیلئے Psyche کا لفظ Coin کرنا پڑا ہے۔ بہرحال اب خال خال کہیں انسان کو سمجھنے کی بڑی اچھی کوششیں ہو رہی ہیں۔ لیکن قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کا مقام متعین کر دیا تھا۔ ضمناً" انہوں نے یہ کہا کہ یورپی نوجوان اکثر مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام نے انسان کے مقام کے بارے میں کیا کہا ہے۔ کہنے لگے کہ نطشے کا Super Man اصل میں قرآن کا Man ہے۔ یا مرد مومن ہے لیکن نطشے کو اپنے ماحول میں چونکہ ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا لہٰذا اس کے نزدیک وہ Super Man تھا۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا ؎

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا' مقام کبریا کیا ہے؟

پرویزؒ صاحب نہایت سادہ مدلل اور ہلکے پھلکے انداز میں عظیم حقائق اور مسائل کی گرہیں کھولتے رہے اور میں یوں محسوس کرتا رہا کہ علم و حکمت کے موتیوں سے بھرا ہوا ایک بادل ہے جو برستا چلا جا رہا ہے اور ان موتیوں کو سمیٹنے والوں کیلئے ان کو سمیٹنا مشکل ہو رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ان کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ Over Flow کر جاتے ہیں لہٰذا میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سرگزشت کو صفحہ قرطاس پر سمیٹتے ہوئے کتنے گہرہائے گراں مایہ ہیں جو میری گرفت میں آنے سے رہ گئے حالانکہ میں نے اپنی طرف سے ان موتیوں کو سمیٹتے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلیوں کے ساتھ ساتھ آستینوں کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اوقات دفاتر طلوع اسلام

احباب کی سہولت کے لئے مطلع کیا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کے جملہ دفاتر صبح 9 بجے سے شام 4 بجے تک کھلے ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر ایک بجے بند کر دیا جاتا ہے۔ تعطیل اتوار کے بجائے ہفتہ کے روز ہوتی ہے۔

ہفتہ کے دن دفاتر مکمل طور پر بند ہوتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی تحریک طلوع اسلام کا پیغام

وابستگان تحریک کے نام

عزیزان من ! آپ قرآنی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ بڑی مبارک بات ہے' لیکن قرآن کریم کا سمجھ لینا مقصود بالذات نہیں۔ اسے سمجھا اس لئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کریم کا صحیح مفہوم ہماری سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا تو یہ ذہنی تفریح سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر اس سے ہمارے قلب کی گہرائیوں میں کوئی ایسا انقلاب پیدا نہیں ہوتا جس کی جھلک ہماری روزمرہ کی زندگی میں نہ پائی جائے' تو ایسی قرآن فہمی محض مشاعروں کی داد ہے۔ جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا **لا الٰہ** تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل و نگاہ کی اس مسلمانی کا مظاہرہ ہماری رفتار و گفتار و کردار' سب میں ہونا چاہئے۔ اگر ہماری سیرت پاکیزہ' نگاہ بلند' کردار پختہ اور معاملات صاف نہیں تو ہم میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے جن کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی تعلیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو یہ کہہ کر فریب دے لیں کہ ہم ان سے بہت آگے ہیں کیونکہ ہم قرآنی تعلیم کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ قرآن سمجھنے والوں کی زندگیاں ایسی ہونی چاہئیں جن سے وہ چلتے' پھرتے دوسروں سے ممتاز و متمیز نظر آئیں اور جس کسی کو ان سے کبھی واسطہ پڑے' وہ ان کے حسن معاملہ سے متاثر ہو کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ "دیدہ ام مردے در ایں قحط الرجال"۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پیش نظر' پورے کے پورے معاشرہ میں قرآنی انقلاب پیدا کرنا ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تک معاشرہ میں ایسا انقلاب نہ آجائے ہم اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں۔ غلط معاشرہ کی بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں جن پر انفرادی طور پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے' لیکن زندگی کے جن دائروں میں ہم مجبور نہیں' وہاں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اندر حسن سیرت پیدا نہ کریں؟ اپنی ہر کمزوری کیلئے معاشرہ کی مجبوری کو سپر بنا لینا' بہت بڑی خود فریبی ہے۔ قرآن کا نام لینے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو اس قسم کی خود فریبی میں مبتلا رکھیں۔ صداقت' اخوت' محبت' شفقت' حسن معاملہ' ایفائے عہد' کشادہ نگہی' وسعت ظرف' تحمل' بردباری' پاکیزگی خیالات' عفت قلب و نظر' یہ ہمارے امتیازی نشانات ہونے چاہئیں۔ میں نے ان چند خصوصیات کا ذکر محض مثال کے طور پر کیا ہے۔ مجملاً" یوں سمجھئے کہ ہماری ساری زندگی سیرت محمدیہؐ کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے' کہ قرآن فہمی کا فطری نتیجہ یہی ہے۔ ؎

اگر باایں نر سیدی تمام بولہبی است

(علامہ غلام احمد پرویزؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاطف طفیل

آہ! سورج مکھی فضل بابا

وہ جس کا دین خاموش خدمت تھا' گزر گیا۔ جب بھی کوئی ادارہ طلوع اسلام کی حدود میں داخل ہوتا ایک شخص اپنی دل موہ لینے والی مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہتا اور نووارد کا جب تک احساس بیگانگی ختم نہ ہوتا وہ اس کی آؤ بھگت کرتا رہتا۔ اسے الفاظ کا سحر بننا نہیں آتا تھا۔ اسے قیل و قال کی بحثوں سے سروکار نہ تھا۔ وہ اپنے انداز فکر کو منوا کر دوسرے کو زچ کرنے کے شغل سے بھی مبرا تھا۔

وہ تو بس ہر آنے والے کو خدائی مہمان سمجھ کر قبول کرتا اور اس کی سیوا سے اس کا قلب فتح کرتا تھا۔ وہ کسی کو بھی منصف کی نظر سے نہ دیکھتا تھا۔ اس کے پاس تو سب کے لیے بس محبت کی نظر تھی۔ وہ کسی کا احتساب نہیں کرتا تھا' وہ ہر بشر کو اس کی خوبیوں و خامیوں سمیت اپنا بنا لیتا تھا۔ اور پھر جو اس کا بن جاتا' وہ بے اختیار پکار اٹھتا۔

مجھ کو اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

جی ہاں! میں علامہ غلام احمد پرویز کے ذاتی خدمتگار بابا فضل دین کی وفات پر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ جی میں جانتا ہوں یہاں پر ہر آنے والے کے لیے جانا لازم ٹھہر گیا ہے لیکن چند ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے جانے سے دل زیر بار آجاتا ہے۔ ان کے جانے سے زندگی بے رنگ نظر آنے لگتی ہے اور بہاریں روٹھ جاتی ہیں۔ میرے قلب پر غم کی گرفت بہت مضبوط ہے لیکن میں اس غم کو مثبت رخ دوں گا۔ میں بابا فضل کے مسلک زندگی پر کاربند ہو کر اپنی زندگی کو "خاموش خدمت" کے درویشانہ سانچے میں ڈھال دوں گا۔

سورج کی روشنی تو سب کو ملتی ہے لیکن سورج کی محبت فقط سورج مکھی کے حصے میں آتی ہے۔ بابا فضل دین ہی وہ سورج مکھی تھا جس کے سورج علامہ غلام احمد پرویز تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

رب ب

اسلام کا ضابطہ آئین قرآن ہے اور قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے الفاظ کا مفہوم خود متعین کر دیتا ہے۔ اسی لیے وہ کتاب مبین ہے' مذہبی منتروں کی کتاب نہیں ہے لیکن جب قرآن کا دین "مذہب" میں تبدیل ہو گیا تو اس کے الفاظ باقی رہ گئے لیکن ان کا مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ ان صفحات میں ایسی ہی منتخب اصطلاحات اور الفاظ کا مفہوم' جو زبان زد عام ہیں' قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس بار رب کا مفہوم پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

رَبَّ کے معنی نشوونما دینا ہیں۔ یعنی کسی چیز کو نئی نئی تبدیلیوں سے اس لئے گزارنا کہ وہ بتدریج نشوونما پاتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچ جائے (تاج' محیط' راغب)۔ جس طرح فطرت' قطرہ نیساں کو موتی بنانے کے لئے نئی نئی تبدیلیوں سے گزارتی اور رفتہ رفتہ اس کی نشوونما کئے جاتی ہے (تاج)۔ یہ طریق نشوونما ربوبیت کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں رَبَّ وَلَدَهٗ رَبًّا وَ رَبَّبَهٗ وَ تَرَبَّبَهٗ۔ اس نے بچے کی پرورش و تربیت کی۔ نگرانی کی تاآنکہ وہ بالغ ہو گیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے۔

مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ صَافِيَةٍ
مِمَّا تَرَبَّبَ حَائِرَ الْبَحْرِ

یعنی (ممدوح) اس صاف اور سفید موتی سے (بھی زیادہ خوبصورت ہے) جس نے سمندر کی گہرائیوں میں پرورش پائی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (1) کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا اور اسے سنوارنا۔ اسی سے اَلرَّبّ۔ مالک' خالق' کسی چیز کی نگرانی اور اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں (2) کسی چیز کا جمے رہنا اور ایک جگہ قائم رہنا۔ چنانچہ کہتے ہیں اَرَبَّتِ السَّحَابَةُ بِهٰذِهِ الْبَلْدَةِ۔ بدلی برابر اس شہر پر ٹھہری یا برستی رہی۔ اور (3) کسی شے کو دوسری شے کے ساتھ ملا دینا۔ لہٰذا تسلسل کے ساتھ نشوونما دیتے چلے جانا اور درست کرتے رہنا ربوبیت ہے۔ مجازاً" بچہ کو تھپک کر سلا دینے کے لئے رَبَّتِ الْمَرْاَةُ صَبِيَّهَا کہتے ہیں (تاج)۔ کیونکہ نیند اور آرام و سکون کا وقفہ بچہ کی نشوونما سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔

کسی معاملہ کی اصلاح اور درستی اور اس کے استحکام کے لئے بھی رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا کہا جاتا ہے (تاج)۔ اور کسی چیز کو جمع کرنے اور بڑھاتے چلے جانے کو بھی (تاج)۔ چنانچہ رِبَابَةٌ اس تھیلہ کو کہتے ہیں جس میں بہت سے تیروں کو اکٹھا رکھا جائے۔ اور رَبَّ الدُّهْنَ کے معنی ہیں' اس نے تیل کی اصلاح کر کے اسے خوشبودار بنایا (محیط)۔

چونکہ نشوونما کا لازمی نتیجہ شگفتگی اور شادابی ہے اس لئے اَلرَّبَّةُ ان پودوں کو کہتے ہیں جو گرمیوں میں بھی مرجھاتے نہیں بلکہ ان کی سرسبزی و تازگی' سردی اور گرمی دونوں میں یکساں رہتی ہے (تاج)۔ اور اَلْمَرَبَّ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں درخت اور پودے بکثرت پائے جائیں اور جہاں ہمیشہ سرسبزی و شادابی رہے (تاج)۔ اسی طرح اَلرَّبَّةُ کے معنی ہیں بہت سے گھنے درخت۔ بہت بڑی جماعت (جو دس ہزار یا اس سے لگ بھگ ہو)۔ یا سامان عیش کی کثرت و فراوانی (تاج)۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جماعت کو رِبِّیٌّ کہا جاتا ہے گویا یہ رِبَّةٌ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کی جمع رِبِّیُّوْنَ آتی ہے۔

القرطین جلد 1 صفحہ 106)۔ (دیکھئے 3:145)۔ اَلرَّبَابَۃ تہ بر تہ جس کے ٹکڑے کو کہتے ہیں (تاج)۔ اور اَلرَّبَب۔ شیریں پانی جو کثرت سے ایک جگہ جمع ہو گیا ہو (تاج)۔ اَلرَّبِیْبَۃ کے معنی عہد و میثاق اور مملکت کے بھی ہیں (محیط)۔ کیونکہ اس سے ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ مل جاتی ہے۔ (ابن فارس)۔ اَلرَّبِیْبَۃ اس کی جمع ربائب ہے۔ (4:23) میں یہ لفظ ان لڑکیوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو بیویوں کے ساتھ آجائیں اور ان کے پہلے شوہروں سے ہوں۔ نیز وہ بکری جسے چراگاہ میں نہ بھیجا جائے بلکہ گھریلو چارہ پر پرورش کیا جائے تاکہ جس وقت ضرورت ہو اس کا دودھ دوہ لیا جا سکے (تاج)۔

مندرجہ بالا تصریحات کے پیش نظر رَبٌّ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی نشوونما دینے والا۔ پایہ تکمیل تک پہنچانے والا۔ انتظام کرنے والا۔ اصلاح کرنے والا۔ اس لئے قوم کے مدبر اور منتظم سردار کو رَبُّ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے اور گھر کے مالک کو رَبُّ الْبَیْتِ (تاج)۔ رَبُّ الْقَوْمِ کے معنی ہیں اس نے قوم کی سیاست کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان پر سیادت کی (تاج)۔ رَبّ کی جمع اَرْبَاب آتی ہے (12:39)۔

بڑے بھائی کو بھی رَبٌّ کہا جاتا ہے (منتہی الارب)۔ اس اعتبار سے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ (فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا ..... 5:24)۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تو اور تیرا بڑا بھائی (ہارونؑ) دونوں جاؤ اور دشمن سے جنگ کرو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے طنزاً کہا ہو کہ تو اور تیرا رب دونوں جا کر دشمن سے جنگ کرو۔ اَلرَّبَّانِیُّ۔ جس کی نسبت رب کی طرف ہو۔ یا وہ معلم جو لوگوں کو بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹے چھوٹے علوم کی غذا دیکر ان کی ذہنی نشوونما کرے۔ ہر صاحب علم کو بھی رَبَّانِیٌّ کہا جاتا ہے اور راسخ فی العلم کو بھی (تاج)۔ انہی معنوں میں رِبِّیٌّ بھی استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (1:1)۔ سے ہوتی ہے۔ یعنی کائنات کا ہر حسین گوشہ خدا کی صفت ربوبیت کا پیکر حمد و ستائش ہے۔ کائنات میں ہر شے اپنے منہ سے کہہ رہی ہے کہ یہاں ایک عظیم الشان پروگرام کارفرما ہے جس میں ایک ادنیٰ سا بیج اپنی نشوونما کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے نقطہ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی کو خدا کا نظام ربوبیت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی لئے قابل حمد و ستائش ہے کہ وہ ہر شے کو ربوبیت عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جس طرح خدا کا یہ نظام ربوبیت خارجی کائنات میں از خود کارفرما ہے اسی طرح انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی داخلی اور معاشری دنیا میں اسی نظام ربوبیت کو نافذ کریں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ رزق کے تمام سرچشمے تمام افراد کی پرورش کے لئے عام ہو جائیں اور ہر فرد اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کو دوسرے افراد کی نشوونما کیلئے وقف کر دے۔ اس طرح تمام نوع انسانی کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی ہوئی اپنے نقطہ تکمیل تک پہنچ جائیں گی۔ جو لوگ اس نظام کو قائم کر دیں گے وہ رَبَّانِیُّوْنَ کہلائیں گے (3:78)۔ اور اس نظام کا قیام قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے ہو گا۔ یہی قرآن کریم کی ساری تعلیم کا مقصود و منتہیٰ ہے۔ یعنی دنیا میں نظام ربوبیت کا قیام۔ اسی کے لئے وہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے مملکت مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ وہ ذریعہ ہوتی ہے افراد انسانیہ کی ربوبیت کا۔ چونکہ ربوبیت میں انسان کی طبعی (جسمانی) زندگی کی پرورش بھی شامل ہوتی ہے اور اس کی ذات کی نشوونما بھی' اس لئے اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افراد کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچائے اور ایسے وسائل و ذرائع' ہر ایک کے لئے یکساں طور پر' مہیا کرے جن سے ان کی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ جب انسانی ذات کی اس طرح نشوونما ہو جائے تو موت سے بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسے حیات آخرت کہتے ہیں۔ خدا کی ربوبیت کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہتا ہے۔

"ربوبیت عالمینی"۔ بس یہ ہے اسلامی معاشرہ کا مقصود و منتہٰی۔ یعنی تمام نوع انسانی کی ربوبیت بلا لحاظ نسل و رنگ اور بلا امتیاز خون و وطن۔ جب تک خدا کی یہ صفت' افراد اور ان کے مجموعہ معاشرہ' میں منعکس نہیں ہوتی' ان کی زندگی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ یہ قرآن کریم کی پہلی آیت اور اس کی تعلیم کا نقطہ آغاز ہے۔ جس کے اندر یہ صفت خداوندی منعکس ہوتی ہے' وہ پوری پوری محنت سے کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد سب کچھ' دوسروں کی نشوونما کے لئے دے دیتا ہے۔ اسی لئے اس معاشرہ میں' نہ جائدادیں کھڑی کرنے کا تصور پیدا ہو سکتا ہے' نہ دولت اکٹھی کرنے کا خیال۔ نہ رزق کے سرچشموں پر انفرادی ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے' نہ دوسروں کی محنت کو غصب کر لینے کا خیال۔ قرآن کریم کا مقصود اسی قسم کے معاشرہ کی تشکیل اور قیام ہے اور یہی معاشرہ ہے جو دنیا کو محسوس طریق پر دکھا سکتا ہے کہ خدا کا تجویز کردہ نظام کس قدر در خور حمد و ستائش ہے۔ یہ عملی تفسیر ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۲۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر:۔

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

طلوع اسلام منکر حدیث ہے !

..... یہ الزام تو آپ نے سنا ہو گا.....

لیکن یہ حقیقت شاید ہی آپ تک نہیں پہنچی ہو گی کہ :-

☆- احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

☆- یہ کس طرح مرتب ہوئیں؟

☆- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے؟

☆- اقرار و انکارِ حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس باب میں طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ جو اسے منکر حدیث بتاتے ہیں' وہ خود کس طرح منکر حدیث ہیں؟ علم حدیث کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے جسے

مقام حدیث

کے نام سے بڑے سائز میں شائع کیا گیا ہے !

اس قدر پُر ازمعلومات ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ بیسیوں کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ !

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن Rs. 140/-

سٹوڈنٹ ایڈیشن Rs. 70/-

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

25- بی گلبرگ 2- لاہور

●●●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشید احمد، سوات

پرویزی فرقے کا کوئی وجود نہیں

نوٹ: محترم رشید احمد صاحب نے یہ مضمون روزنامہ اوصاف میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے جواب میں تحریر کیا مگر دو بار فیکس کیے جانے کے باوجود اوصاف میں اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔

روزنامہ اوصاف کی 28 اکتوبر 99ء کی اشاعت میں جناب عبدالخالق بھٹی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا' پرویزیوں کو اجماع امت غیر مسلم قرار دے چکا ہے۔ انہوں نے اس بات کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ پرویزیت ایک مذہبی فرقہ ہے اور اجماع امت کے مطابق یہ فرقہ کافر و غیر مسلم ہے۔

میرے خیال میں مسلمانوں میں کسی مذہبی فرقے کے وجود کے لئے لازمی ہے کہ وہ ایک ایسا گروہ ہو جس کی بنیاد دیگر گروہوں سے مختلف' مخصوص عقائد پر ہو' وہ ان عقائد کے پرچار کو اپنا مذہبی فریضہ اور ان کو نظری طور پر مان لینے کو اخروی فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہو۔ اپنے عقائد کو من جانب اللہ' عقل و فکر سے بالاتر تصور کرتا اور اپنے سوا دیگر گروہوں کو خارج از اسلام اور کافر سمجھتا ہو۔ اپنے سربراہ (فرقے کے بانی) کی رائے کو مذہبی معاملات میں حرف آخر تسلیم کرتے ہوئے اس کی ذات سے جذباتی عقیدت رکھتا ہو اور اس کے افکار کو خدا کے احکام کی طرح غیر متبدل تصور کرتا ہو اور ان سے روگردانی کو خلاف اسلام سمجھتا ہو۔ نیز اس گروہ کے طریقہ ہائے عبادات دیگر فرقوں سے کم از کم جزوی طور پر مختلف ہوں۔

لیکن بانی تحریک طلوع اسلام غلام احمد پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ

"میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں اور آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآن کریم پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں اسے اچھی طرح سن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآن کریم کی بجائے کسی انسان کو سند مان لیا آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی اور یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رو سے شرک ہے" (بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام اپریل 1960ء)

طلوع اسلام ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد قرآنی تعلیم کو عام کرنا ہے۔ اس کا مقصد پرویز صاحب کے خیالات کو لوگوں سے من و عن منوانا ہرگز نہیں بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اس بات کو راسخ کرنا ہے کہ قرآن ایک لاریب کتاب ہے۔ اس کا ایک ایک حرف من جانب اللہ اور ہر قسم کے شک و شبے سے یکسر پاک ہے۔ جو کچھ قرآن کی اصولی تعلیم کے خلاف ہو وہ غیر اسلامی ہے۔ حضور نبی اکرمؐ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اسلام کی حقیقی تصویر تھیں۔ چنانچہ اگر کتب تاریخ میں حضورؐ یا صحابہ کرامؓ کے متعلق کچھ ایسے امور مذکور ہوں جو خلاف قرآن ہوں تو ہمارا ایمان ہے کہ وہ تاریخ ہی جھوٹ اور سازش پر مبنی ہو گی نہ کہ ان ہستیوں کے اعمال خلاف قرآن۔ طلوع اسلام کا مقصد عقائد و نظریات کے بنیاد پر ایک نئے فرقے کا ایجاد ہرگز نہیں بلکہ اس کا تو خواب ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مٹا کر ان کو پھر سے امت واحدہ بنایا جائے' جس طرح حضور ﷺ ان کو چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ لہٰذا حقیقت میں' پرویزی فرقہ' کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ محض مولوی صاحبان کی ذہنی اختراع

...یک خلوص اور نیک نیتی سے یہ سمجھتی ہے کہ
...کے موجودہ انتشار و افتراق اور امراض کہن کا واحد حل
...بھی نظام مملکت کا قیام ہے۔ بقول اقبال

...دینہ بیماری وہی نا محکمی دل کی
...س کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

...اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے متحد ہونے کی واحد صورت کیا ہے؟

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اقبال کے مطابق دین اسلام کے نفاذ کا نتیجہ انسانی معاشرے میں حقیقی مساوات کی صورت میں نمودار ہو گا۔ جہاں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم' محتاج اور دست نگر نہیں رہیگا یعنی۔

کس نگردد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے "لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ہم (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو وہ سب" (البقرہ 219) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی (یعنی مال و دولت) جمع کرتے رہتے ہیں اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو درد ناک عذاب کی بشارت دیجئے" (توبہ 34) اقبال اپنی ایک مشہور نظم بعنوان "الارض للہ" میں وسائل رزق پر انسان کی انفرادی ملکیت کی نفی کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔

دہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

لیکن افسوس کی بات ہے کہ پرویز صاحب اور طلوع اسلام کے ان قرآنی نظریات کو چھیڑنے اور ان پر قلم اٹھانے کی جرات کسی کو نہ ہوئی بلکہ الٹا لوگوں کو اس لٹریچر سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

لیکن پرویز صاحب کی تحریروں کے درمیان سے چند الفاظ سیاق و سباق سے ہٹ کر نقل کرنا اور اپنی مرضی کا مطلب نکالنا خیانت گر قلم کاروں کا شیوہ بن گیا ہے جیسا کہ تازہ ترین مثال میں جناب عبدالخالق بھٹی صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پرویز صاحب ارکان اسلام کے منکر اور بالخصوص نماز پنج گانہ کے قائل ہی نہ تھے۔ تو قارئین کرام ان الزامات کی تردید مجھ سے نہیں مرحوم پرویز صاحب کے قلم سے خود ملاحظہ فرمائیں۔ ایک سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں۔

"آپ کی یہ اطلاع درست نہیں کہ میں حدیث کا قائل نہیں۔ میں قرآن اور حدیث دونوں کو اپنے اپنے مقام پر مانتا ہوں...... لہٰذا نماز کی جزئیات اور ترکیب تمام و کمال قرآن کے اندر نہیں انہیں رسولؐ نے مرتب فرمایا تھا بعد میں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا...... میں اس طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان پڑھتے ہیں۔ اس میں نہ میں اور نہ کوئی اور فرد کسی قسم کے رد و بدل کا مجاز ہے۔ (پرویز۔ ماہنامہ طلوع اسلام مئی 1955ء)

نماز اور دیگر ارکان اسلام کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

"صدر اول میں امت نے رفعت اور بلندیوں کے جو بے مثال مقامات حاصل کئے تھے تو ان ارکان کی ظواہر پرستی سے نہیں بلکہ ان کی گہرائیوں میں ڈوب کر کئے تھے۔ اس وقت عمرؓ ابن خطاب بلالؓ حبشی کو سیدنا بلالؓ کہہ کر سلام کرتا تھا اور چشم فلک نے یہ جنت بدوش نظارہ دیکھا تھا کہ۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے"

(بحوالہ پمفلٹ الصلوٰۃ از ادارہ طلوع اسلام' لاہور)

ایک موقع پر پرویز صاحب نے طلوع اسلام کے کارکنوں کو نماز کی اہمیت کے بارے میں تنبیہہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ...

سکتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے خود ہی نماز' روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہو گی؟..... ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا" (پرویز صاحب کی ایک تقریر سے اقتباس بحوالہ منزل بہ منزل صفحہ 35 تا 36 از ادارہ طلوع اسلام' لاہور)

میں گنجائش کی کمی کے باعث ان چند حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ خود ہی جناب عبدالخالق بھٹی صاحب کے قلمی جہاد کا اندازہ لگا کر حق و باطل کا تعین کریں۔

تاہم پرویز صاحب ایک انسان تھے ان کے نظریات میں غلطیوں کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا' ان کے افکار و خیالات سے اختلاف ضرور کیا جا سکتا ہے اور انہوں نے اپنی کسی بات کو خود بھی حرف آخر قرار نہیں دیا۔ ان کی بعض آراء خود میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کی ہر رائے کی پشت پر قرآن حکیم کی محکم آیات اور ٹھوس دلائل ہیں جن کو رد کرنے کے لئے محض کفر کے فتوے' بازاری زبان میں پروپیگنڈہ اور بہتان تراشیاں کارگر نہیں ہونگی۔ کیونکہ پرویز صاحب کے مخاطب سنجیدہ اور تعلیم یافتہ افراد ہیں جن کو مطمئن کرنے کے لئے قرآنی آیات کے حوالوں سے دلائل و براہین کی زبان میں بات کرنی ہو گی اور اگر پرویز صاحب کا کوئی نظریہ اسی طریق پر خلاف اسلام ثابت کیا جائے تو طلوع اسلام کے وابستگان اس پر اڑے رہنے کی ضد بالکل نہیں کریں گے۔ بصورت دیگر اس کو فرقہ سمجھنے والے حق بجانب ہونگے۔

سانحہ ہائے ارتحال

یہ خبر نہایت اندوہناک ہے کہ پروانہ شمع قرآنی محترم بشیر احمد کو بہاولپور میں' جب وہ اپنی دکان ریحان چپل سٹور مچھلی بازار میں قرآن کے مطالعہ میں مصروف تھے 10 رمضان المبارک 19 دسمبر 1999ء کو (نامعلوم) حملہ آوروں نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ مرحوم بڑی بہادری سے کتاب اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور سماجی بہبود کے عملی منصوبوں پر سرگرم کار رہے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ادارہ طلوع اسلام مرحوم کے اعزہ واقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

طلوع اسلام کے دیرینہ شیدائی بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد احسان الحق 18 جنوری کو وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ طلوع اسلام بیگم احسان الحق' اسد احسان' حامد احسان' اور لیس احسان' راجہ محمد انعام الحق اور دیگر اعزہ واقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ مرحوم کے لواحقین سے تعزیت اور دعا کے لئے 20 فروری 2000ء کی تاریخ طے ہوئی ہے۔ لاہور اور قرب وجوار کے قرآنی احباب کی سہولت کے لئے فون نمبر و پتہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

52 برج کالونی' عابد مجید روڈ' لاہور کینٹ

فون نمبرز : 370865 - 6663647

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوچا کرو

-1 سب کچھ کھونے کے بعد بھی اگر آپ کے اندر حوصلہ باقی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ابھی آپ نے کچھ نہیں کھویا۔

-2 ہر شام کے بعد دوبارہ نئی صبح آتی ہے مگر صبح کو پانے والا صرف وہ شخص ہے جو صبح کے آنے تک اس کا انتظار کرے۔

-3 بڑے دل والا آدمی ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور چھوٹے دل والا آدمی ہمیشہ ناکام۔

-4 نہ گرنا کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ تم گرو اور پھر از سر نو اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔

-5 اگر آپ اسٹیشن پر دیر میں پہنچے ہوں تو آپ ٹرین سے یہ شکایت نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کو لیے بغیر کیوں آگے چلی گئی۔

-6 راستہ صرف اس آدمی کیلئے بند ہے جس کو راستہ چلنا نہ آتا ہو۔ ہوا کے لطیف جھونکے ہر روز یہ پیغام دے رہے ہیں۔

-7 دوسروں کو اپنی بربادی کا ذمہ دار ٹھہرانا صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی خود اپنے امکانات سے باخبر نہ ہو سکا۔

* کوئی شخص کسی دوسرے کیلئے نہیں لڑتا ہر آدمی کو اپنی زندگی کی لڑائی خود لڑنی پڑتی ہے۔

-9 زندگی کے مسائل حکیمانہ تدبر سے حل ہوتے ہیں نہ کہ شکایت اور احتجاج سے۔

-10 پتھر مارنے والے سے نہ لڑو بلکہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اٹھاؤ کہ پتھر مارنے والے کا پتھر وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

-11 اندھیرا آئے تو اندھیرے کو نہ کوسئے بلکہ چراغ جلا دیجئے اس کے بعد اندھیرا اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔

-12 اکثر لوگ اپنے آپ کو صد فی صد استعمال نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے مقصد میں صد فی صد کامیاب نہیں ہوتے۔

-13 اپنے آپ کو بدل دو تمہاری قسمت خود بخود بدل جائے گی۔

-14 اس دنیا میں زندہ رہنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ ہر آدمی کے پاس ایک وسیع قبرستان ہو جس میں وہ لوگوں کے قصوروں کو دفن کرتا رہے۔

-15 زندگی ناخوشگواریوں سے خالی نہیں ہو سکتی آپ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ ناخوشگواریوں کو بھلا کر اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔

من جانب
عاطف طفیل

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

محترم جناب چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف صاحب .G.H.Q راولپنڈی

السلام علیکم --- عنوان =: بنجر پاکستان کی آبادکاری

سپرپاور اللہ جل جلالہ' کی نوری قوت رحمت وربوبیت سے ذرہ-ذرہ پر تاثیر ہے-یوں وہ "قیُّومِ کائنات" بھی ہے-کسی کو مجال سرتابی اور یارائے سرکشی حاصل نہیں-کائنات میں صرف انسان کو یہ امتیاز حاصل ہے-وہ انائے خودی-میں-I-روح-ذات (Personality) کا ودیعتی شرف رکھتا ہے-جس کا اعتراف خود اللہ جل جلالہ' نے اپنی آخری کتاب "قرآن مجید" میں جو کہ خاتم النبین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی یوں کیا ہے-

وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ --15:29, 32:9, 38:72

یوں انسان کا حق انتخاب اور قوت امتیاز اس کا خاص استحقاق قرار پایا-

20 ویں صدی کا یہ واحد اور سب سے بڑا معجزہ تھا کہ یہاں کے باشندوں نے صوبائی-نسلی اور لسانی امتیاز سے بلند ہو کر دو قومی نظریہ مسلم / غیر مسلم پر مسلمہ الیکشن کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ مسلم ہیں اور مسلم سٹیٹ ان کی ضرورت اور منزل ہے-یوں 20ویں صدی میں ہماری مسلم پہچان کی سربراہ شخصیت قائداعظم محمد علی جناحؒ قرار پائے-

میں دیگر امور کو چھوڑ کر صرف بنجر پاکستان کی آبادکاری پر آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں "اَلْاَرض لِلّٰہ" کے نقطہ نظر سے زمین اللہ کی ہے-وہی اس کا بدیع-فاطر-خالق-مالک اور حاکم ہے-میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی شخص قرآن سے ثابت کر دے کہ انسان زمین کا مالک اعلیٰ / مالک ہو سکتا ہے؟ اگر انسان زمین کا مالک نہیں ہو سکتا تو انگریز کا جاری کردہ جاگیردارانہ نظام صرف اور صرف تار عنکبوت ہے-جس کو عصائے قرآنی سے پاش پاش کر دیجئے-بنجر پاکستان کی تمام زمین بے زمین لوگوں میں (بطور ملکیت نہیں بطور امانت) تقسیم کر دی جائے-تاکہ وہ اپنے لئے اور ملک کے لئے رزق پیدا کریں-اگر آپ نے "الارض للہ" کی بساط بچھانے کی سعادت حاصل کر لی تو تاریخ میں سنہری حروف سے آپ کا تذکرہ باقی رہے گا-اور آپ ربانی معاشرے کے ایک ہیرو بن جائیں گے-اللہ آپ کو توفیق عطا فرمائے-والسلام

ملک حنیف وجدانی

صدر باغبان ایسوسی ایشن

معرفت PO موہڑہ سیداں' مری

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا ؟
ختم نبوت کے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"
طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

Suggest a Website Name

AN OPEN COMPETITION FOR ALL READERS

Bazm Tolu-e-Islam London plans to launch its first Internet website in Y2K. The Website has three objects:

1. To enable the bazm to store all of Allama G.A. Parwez's English books and other Quranic publications electronically. This will enable Tolu-e-Islam publications to be accessed over the net for virtually anywhere in the world.
2. To encourage the participation of young people from around world-wide in different bazm's to meet, exchange views and to form friendship.
3. To publish information about bazm's activities and other relevant Islamic literature.

London Bazm invites you to suggest a creative attractive name for the site that reflects the importance of this website.

THE CONTEST

All the contestants should submit the Website name by 31 March 2000 by post or by E-Mail to the following address.
The contestant should give his/her name, address, telephone number and Email address.

The winner will get a set of all English books by
Allama Parwez and Dr. Syed Abdul Wadud.

There will be a consolation prize for the runner-up too.

Bazm Tolu-e-Islam (London)
76-Park Road, Ilford Essex, IG1 ISF
Email: maqbool.farhat@virgin.net.uk

said to me once: "Events and circumstances never remain static." One should be open-minded and harmonise accordingly." I wondered at his maturity and wisdom. I suppose this is what is meant by 'on the ground' or 'grass-root' wisdom. It is all about people who keep their eyes and ears open and learn from their observation and experience. Gorky-like, their lives lived are their universities in themselves. As Ashraf Zafar Sahib observed he was like "a deep ocean". He absorbed everything in-depth, quietly evaluating people and events, but without any rancour or aplomb. He was amused when some individuals claimed to know Parwez; he knew better who was and who was not in a position to make such claims. With no desire for power and fame, with no psychological hang-ups, he was truly a free and balanced person. He was part of the populace who has confidence in its destiny; one of those who are educated in the real sense, though virtually illiterate; unlike those who flaunt their degrees and pose as intellectuals and have only succeeded in not only creating doubts but also sabotaging the country.

While announcing the passing away of Fazal Baba after the Dars (January 16) Dr. Farid narrated the event of his first visit in 1967 with a mind full of questions. It was Fazal who quietly and with equanimity arranged a meeting with Parwez Sahib in the midst of a discursive hassle with an intellectual. And of course, Dr. Farid stayed on.

I conclude in Dr. Farid's words when he said that Fazal Baba was to Allama Parwez what Ali Bakhsh was to Allama Iqbal.

****

For All Publications of Allama Parwez and recorded lectures on Quran

Please contact:

TOLU-E-ISLAM TRUST

25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.

Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

Current Account No
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

What fascinated me most about him was his prodigious memory. It reminded me of the Mughal Emperor, Akbar the Great. Like him he was illiterate and like him his recognition of the titles of books was unbelievable. Akbar in his "Ibadat Khana" (a library plus a room for discourses and discussions) would point out the book and ask Abul Fazal or any other, to read the relevant pages from it. In a sense Akbar was a "well-read" scholar. Our Fazal Baba also could decipher anyone of Parwez Sahib's fifty odd books in a matter of moments. Only perhaps a fortnight before his demise, he was asked to bring several books from the store, with complicated Persianised titles. He laid them on the table in a wink; my spontaneous comment was that it was good to see that he eventually learnt the alphabet. "Oh no!" he replied, "I know nothing of the alphabet." I just stared back. It is amazing to see what humans are capable of!

One of Fazal Baba's duties included making parcels or packing of books to be mailed inland and overseas. He weighed them and packed them. There is nothing extraordinary in that, you might say. Perhaps not. But what I am emphasizing is that he worked like an artist. The parceled books, when ready, looked like a piece of art. I often stood and admired them. Similarly he excelled in making tea. Twice everyday, he served tea to the working people in the office, adding one or two cups if guests happened to be present. I looked forward to my share as a visitor, although I am rather finicky about tea and drink very sparsely. In this connection it is worth noting that he kept my cup apart because, unlike the two or three teaspoonful of sugar that my countrymen are generously attuned to, my sugary taste did not exceed half a teaspoon. This kind of attention and service reached its climax when Fazal Baba nursed Parwez Sahib during his prolonged and fatal illness. There could not be a more efficient and concerned nursing, which he administered round the clock. This shall remain a matter of satisfaction to all concerned, and we indeed have always looked back on it with gratitude.

Perhaps it would be the other side of the same picture when I talk about his hospitality. Now and then he would invite the working people in the Trust and the Idara to his home or even arrange picnics in an outdoor scenario. I remember being an invitee at his home, and being entertained to a delicious meal. Being a lively and uninhibited person, with none of that "pious and self-righteous" sadness on his face exhibited by our priesthood, the entertainment was not limited to eating (our traditional obsession), but there was music and anyone could join in its rhythm, including himself. A few days before he passed away he held an Iftar party. Who would have thought that in a weeks time he would be parting from us forever? That is what I envy him for. No bed-ridden illness. In fact, the day before, he was attending the office. His going away is like going away from one house to another. Yes! It was as natural as that.

Furthermore there are people who cannot adjust to change or at least cannot appreciate the demands of a changing environment. Fazal Baba's illiteracy was no hindrance to such a phenomenon. While explaining certain happenings around, he

FAZAL BABA

By
Ms. Shamim Anwar

Fazal Baba (that is how the younger group liked to address him) is no more. On January 6, 2000, a cardiac arrest took him away from us, from this our temporal abode. A shadow of sadness and a permanent vacuum of his personal physical presence lingers on at 25-B, Gulberg, Lahore, which houses the Tolu-e-Islam Trust. But his attractive and very pleasing smile immediately penetrates this shadow and this vacuum, for it is too powerful and beautiful to be lost even when physically he is not present.

I had known Fazal Baba ever since 1965 when he took up employment with Parwez Sahib. Having left his village on the border during the1965 war, he stayed on at his post, steadfast and ever dutiful. After all these years it is difficult to imagine this place without him by anyone whose association to it has been as long. He worked unobtrusively and competently. The former managers would vouch for it too, but at the moment Hussain Kaisrani is the one present to tell us that in his last six years of management, Fazal Baba was only twice just a little late in coming. Normally, he always informed him well in time even if he were to be half an hour late. This not only indicates value of time, says Kaisrani, but also a man of character. This quality of honesty pervaded his personality as a whole. For example, during the Sunday Dars of Parwez Sahib on the video, Fazal Baba was paid Rs. 200 a month for arranging and removing the chairs for the visitors. If Kaisrani or anyone else offered to help with the chairs, Fazal Baba stopped him from doing so. "I am paid for this duty, so let me handle it on my own." Now this is really something to write home about. Honesty is not divided--- valid in one area and invalid in other areas. Seen from this perspective, in this day and age, he was an institution by himself. It was in recognition of this that whenever anything was inaugurated in the office, invariably he was called for this honour. And of course he alone deserved it. The management cannot recall any complaint against him. Some minor mishap or a mistake can invite a mild reprimand and sometimes it did happen with other workers, but none whatsoever where Fazal Baba is concerned. This is a beautiful record indeed.

His dedication to the Tolu-e-Islam office was so complete that he came to be known with its reference. His identity, he himself bemused, was not with his home but with the office. His own neighbourhood in Fazalia Colony where he lived (rather just slept at night) and the children, who played around, recognized the house and home by virtue of his sons. If they looked for him it was in the Gulberg location where Tolu-e-Islam Trust office is situated.

Rahmat which is also one of God's attributes, means therefore, that gift which would fulfil or compensate one's short-comings, visible or invisible and which should be given according to the requirement of the reciepient. Just as in the mother's womb, the baby is provided nourishment and protection. After birth however, the baby is no longer so protected and is at the mercy of all the germs and bacteria flying around in the air. The mother's breast milk then provides the protection as it contains all the necessary nutrients and anti-bodies the baby requires. And as the baby grows and develops, the mother's breast milk changes according to the baby's changing requirements. Do you see how God's mercy manifests itself? *(This is God's mercy)*..

A gift also means, something which is given free. ***Rahmat*** is therefore **that attribute of Allah *(God)* by which He provides sources of nourishment free of any charge.** Sources that come out of rain such as fresh water, crops etc. Are also called ***Rahmat (mercy).*** The sea water can neither be drunk nor fed to the crops. Yet it is this same sea water that is lifted up by evaporation and convection and is carried away by clouds. When the clouds meet with the mountain tops the moisture freezes as snow and ice. And then when this snow and ice melts, rivers of fresh nourishing waters flow. We drink this water and irrigate the land with it, through which crops grow. This is also God's ***Rahmat (mercy).***

One of the important attributes of Allah *(God)* is the ***Rababiyyat,*** or providing nourishment to the body as well as to the *Nafs (sprit, I am-ness, ego or personality)* through the Divine laws which are given through ***Wahi*** *(Revelation);* ***Wahi*** is therefore also called Rahmat (mercy) ***(Al-Qur'an 2:105, 43:32)*** and Allah is ***Rabbul Alameen*** one who provides nourishment to the entire universe. He has therefore made it incumbent upon Himself the responsibility of providing ***nourishment (Al-Qur'an 6:54)*** In this way He has covered everything in the universe according to His law of ***Rababiyyat (Al-Qur'an 40:7).*** This is the Qur'anic concept of **Mercy.** It is not "you do wrong and don't get punished for it." Put your finger in the fire and it will definitly burn. If God was to follow the human concept of mercy then by placing the finger in the fire, we would not feel the pain of the burning because God would exercise His mercy. But we do feel the pain because here God's ***law of requital*** is at work. God's mercy menifests itself in the fact that He has honoured us with the ability to learn and gain knowledge, by which we can manufacture medicines and creams from the materials that He has provided. When applied to the burnt finger, the cream or medicine heals it. This is the Qur'anic concept of God's mercy.

It is evident from what has been discussed above, that in human terms Mercy and Justice are diametrically opposed to each other. One cannot be merciful and Just at the same time. However, in the Qur'anic terms God is both Just *(through His law of requital)* and merciful *(through His attributes of Raheem, Rehm'an and His Rahmat)* and whats more He is both, at the same time.

****

According to the Qur'an, man's growth, progress or the attainment of heights in the process of development, is achieved through one's own good deeds and actions. Man does not achieve this state of development out of God's grace or by developing the belief in Jesus being the son of God and his crucifixion. He achieves it on account of his own positive actions, and the resultant growth and development that takes place in his personality, I am-ness, sprit, or character is in accordance with God's inviolable ***Law of requital.*** Dr. Muhammad Iqbal (the poet philosopher of Pakistan) has mentioned this in one of his verses.

> "There is no sense of achievement or pride in the life of Paradise granted by God, out of grace.
>
> The Paradise earned on merit and by one's own actions and deeds is worth all the effort of the chase."

This is the basic difference in Islamic and Christian way of life. The Qur'an creates a people, who by virtue of their own actions and noble deeds win the paradise on merit and not as gratis.

The concept of mercy is un-Qur'anic. The Qur'anic terms usually translated into English as merciful and mercy are ***(Raheem and Rehm'an) and Rahmat*** respectively. Once translated as merciful and mercy, these Arabic terms assume the connotations of the human concepts of mercy. therby losing completely the concept carried by the original words in Arabic. *(This proves with out a shadow of a doubt that the Qur'an* ***can be explained*** *but* ***never translated.)*** Let us now examin the Qur'anic concept of God's mercy and how, it manifests itself.

Raheem and Rehm'an:

According to the Qur'an, these are attributes of Allah (God). According to the Arabic grammer, ***Raheem*** means one who provides nourishment in the normal course of growth and development and ***Rehm'am*** means one who provides nourishment in full force and in abundance in an emergency. In modern biological terms the former *Raheem* would mean, one who provides nourishment during Progressive evolution and the later, *Rehm'an* would mean one who provides nourishment during Emergent evolution. This needs further clarification. The Our'an says that everything in the universe looks towards God for its nourishment. And none of these things remain in one state.**(Al-Qur'an 55:29)**. They are in a constant state of change, as growth and progress continues to take place all the while and there is indeed, wear and tear going on in the universe. However, He provides the required nourishment at every stage and in every situation whether it be normal state of growth or the accelerated form, so that every thing may reach it's ultimate destination as ordained. Whats more, this nourishment is provided absolutly free. Do you see how God's mercy manifests itself?

Rahmat is derived from the word ***Reham,*** which means a mother's womb, where a baby gets nourishment, *(ready made, without any effort)* and is kept safe and immune from outside influences. Do you see how God's mercy manifests itself?

The Qur'anic Concept Of God's Mercy

By
Muhammad Iqbal KHAWAJA

How Is God Merciful?

Mercy is defined in the advanced learners dictionary as, "*holding oneself back from punishing, or from causing suffering to somebody, whom one has the right or power to punish*"

This is the human concept of mercy. Since God, *(the God created by human imagination)*, has been created in man's own image, we therefore attribute human traits to Him. This concept of God's mercy is used to counter the earlier Christian invention of the ***Original Sin***. It is a Christian concept that, a child is born in sin which cannot be washed away with any amount of good that he does, or may do throughout his life. The only way that this child or person will succeed in absolving himself of this *"**Sin**"* is through belief or having faith in Jesus (peace be upon him) being the son of God and in his crucifixion.

Allah (God) has declared ***humans to be born sinless***. Contrary to the Christian belief, all children are born into this world ***with a clean slate***. The Qur'an negates the concept of the ***"Original Sin"***. No child brings with him or her the sin of Adam and Eve because:

No person will bear the load of another person's deeds (Al-Qur'an 53:38)

Every person is accountable for his or her own actions (Al-Qur'an 53:39)

The Holy Messenger has further clarified, **"No son or daughter will be punished for his or her parent's faults."** Therefore according to Islamic teachings, a new born neither brings with him or her the **stigma of a previous life** (as in Hindu doctrine of re-incarnation) nor is he **born tainted with anyone else's doings**.

Scholars of the West have reached the same conclusion. F. R. Johnson writes **"The Original Sin is the Original Evil. It keeps mankind disinclined from doing good and inclined towards doing evil. This belief impels man in Martin Luther's words to *"Sin Hard but Believe Harder"*.** He then asks rhetorically **"If belief in Jesus dying on the cross for me will absolve me of my sins and grant me a license to do what I please, why wouldn't I adopt the easy, sinful path of lust and desire?."** A. E. Taylor writes "I wish I could find the true religion that would save me from the **fallacies of the Original Sin**".

their children and have to bear their husbands' cruelty because they are their "gods on earth". There are so many homes in which they cope with poverty, but the minute the husband has a few more pennies, he starts thinking of marrying for a second time and the former wife is kicked out of the house along with her children. Going abroad is another phenomenon. Whoever goes abroad, brings back a foreign wife. The first wife is left to rot while the Ma'an is enjoying life. Is there nobody to ask them about their shamelessness on having abandoned the first family? Why "shame"? They tell you that the "righteous law" allows them. So who are you to check?

This hell in our society plays havoc with the physical state of at least sixty percent or seventy percent of the girls, and they simply fizzle out of this world. I am told by the doctors every other day that the female patients who have advanced TB, but who have children in their laps, and are expecting another one. Dear Tahira, what can I say about how I feel when I hear of such instances? If a man has one daughter, he would worry only about her. But I lament over all these daughters and I do not shed these helpless tears for them, but over my own helplessness. Whenever I hear a harrowing tale, I think that the responsible person should be severely taken to task and punished. But after this tale of woe is finished, then the question arises as to what could be done under these circumstances. Except for shedding tears, we cannot do anything. This is that constant agony Tahira, through which your Uncle has to pass.

Now you ask about its remedy! It cannot be remedied on an individual basis. When this kind of cancerous growth has gone so far in a society, then it cannot be treated individually. It can only be remedied by changing the entire society. This is similar to what the Quran has referred to as: "Change this earth and the sky". Not until we change this society to a Quranic society, will there be hope of any betterment. If we can make it possible by some other means, then this Quranic assertion that no man-made law or system can take its place, would not hold. Prior to this time (under the British regime) we could not make this social revolution come true. But after the inception of Pakistan, we should have had no difficulty in implementing it. Now we can formulate our own laws and obviously our society would behave by the provisions of the laws. Besides the law, our education system is also under our control. With appropriate education we can guide our children on the right track. This would then make them change the wrong trends in the society voluntarily. This is all in our own control. But how unfortunate that nation is, which stays sick in spite of the fact that it has cures for all its ills! But we bolt the door from within and then complain that there is no way out.

This is all for now. God be with you. When is Saleem hoping to come back? I am sending a letter to him through the same post as yours.

Peace be with you!

Parwez

August 15, 1953

monarchy seeped into Muslims. Byzantinian and specially the Persian civilization. was absorbed into their collective and individual lives. Man's position in society changed into that of a Lord and Master. This was the period when Quranic Islam was being changed into a new Islam which is prevalent amongst us till today. The laws governing our family life today belong to this new Islam. and have nothing to do with the Quran. Since this Islam is a product of kingship and priesthood. coercion is its hallmark. Mind and body are both under stress. Such an oppressive society is always seeking the proverbial lamb. like a wolf. Expecting a woman to have a dignified human status in such a society is idle thinking. This oppression has led woman to take revenge. wherever she has been given freedom. As such. companionship has been non-existent in both the old and the modern society. Neither of these were formed on Quranic lines. Society has become a victim of different kinds of excesses and discriminations. For a peaceful co-habitation. there is no other option but to reject the man-made norms and modern transgressions. and build up society from scratch. within Quranic limits. This is the way to get that long lost paradise from which. and for which. the expelled Adam is still longing.

Turning to the tales of woe of our oppressed women. you may have written these tales from your imagination. but I come across true stories from morning till evening. My dear daughter. I feel like a doctor. as whoever comes to me brings a harrowing story. Doctors perhaps learn to bear with mishaps. But you know me: what a sensitive person I happen to be. specially for women and children. The narrator goes away after telling his or somebody else's story. but I cannot sleep the whole night after hearing it. You do not know Tahira. how many innocent girls have become a burden for their parents. because they do not have enough money to fulfill the demands of these so called 'gentlemen' who come to take the girls' hands in marriage. These girls do not utter a word but the facts of their condition play havoc with them and reduce them to ashes.

Repressed Women

How many oppressed girls are tied with a nuptial knot. against their wishes to wolves in lamb's clothing: men about whom everyone knows that they have been sowing their wild oats all their lives. But these poor tongue-tied girls cannot let a word escape their lips. So many innocent girls are so hounded by our so called "civilized scoundrels". that they are driven to commit suicide. When even the last remnant of gold is snatched away from them. they are asked to go to their parents' home to get more money. If they cannot oblige. they are subjected to violence and their bones are broken. There are so many girls who are not allowed to live in their husbands' homes: neither are they divorced. They are threatened and asked to procure a certain sum or else are condemned to live in their parents' homes. Further there are so many sick and weak girls who have borne four or five children by the age of twenty. and they do not have enough in the home to eat. They work all day. look after

Man's Prerogative

The reason is quite clear. Quran's general rule is, whatever rights men have over women, women, too, have similar rights over men (2:228). But during the waiting period (Iddat), the ex-husband can marry and that is the only extra privilege men have (2:228). If during the waiting period, or after it, both of them get married again with mutual consent, then their marital life would start again. After this, if again their relationship becomes strained and they divorce each other, then again during Iddat or after it, they can still marry. (This is because it was the second divorce.) But after this, if they divorce each other for the third time, then they cannot marry again, neither during the waiting period nor after it. The aim of this is to keep the marriage sailing, and is not to be treated lightly. After the third divorce, this woman has to marry someone else and not her previous husband. (If it so happens that the second husband, too, divorces her or if she is widowed, then there is no restriction on marrying her first husband).

As I have written above, the divorce is not an individual decision. A man cannot divorce whenever he likes. It is a problem to be decided upon by the social system, or by the court. For this, just as a man has the right to resort to a law court, the woman has the same right, too; whenever there are differences to be resolved. Just as a woman cannot bind a man forcibly to the contract of Nikah, in the same manner a man, too, cannot coerce a woman to keep the same. The basic condition of Nikah is companionship, which is quite contrary to coercion. If there is no companionship, then how can you keep a Nikah?

My dear girl, these are the laws concerning marriage and divorce according to the Quran. Do go over them and reflect. Are the woman's rights any less than the man's? Is there any scope for men to rule over and supervise women? By now you must be wondering from where, despite such clear injunctions, have we acquired what actually is happening? The answer is easy: wherever the rest of the "religion" has come from, this, too, has come from the same source. Which aspect of 'religion' tallies with Quran, for us? Why should it be surprising in respect of family life? In the earlier era of the world, society in general was matriarchal. The woman's position in a family was like a ruler. Old Arab society, too, was organized on these lines, but on their right and left the two big civilizations, namely Byzantine and Persian, were patriarchal and were governed by men.

Peculiarity of Islam

Just before the advent of Islam, Arabs, too, had started accepting the influence of these civilizations and their society had started bearing the signs of man's supremacy. The advent of Islam changed altogether the complexion of the society. Here neither the man nor the woman was to govern. Here they had been portrayed equal, to walk side by side in their life. These were the Quranic laws. *But later when*

> If you fear the husband and wife would differ, you should constitute an arbitration board that should consist of a member from the husband's family and a member from the wife's family. If these arbitrators try, in the light of God's law to set things right, then some workable solution could be found (4:35).

This is so because the aim is to eliminate the differences and to regularize the relationship, and not to try to sever the relationship. But if this arbitration board fails in its efforts and they conclude that the companionship cannot endure any longer, then they should present their report to the court. If they themselves have the jurisdiction or powers to give the final decision, then they would decide themselves. This contract would thus be dissolved.

Here you will ask, if this is how a divorce procedure takes place according to the Quran, then what is that when a wife accidentally adds more salt to the curry and the husband cannot stand it, he just has to utter the word "Divorce" three times, and the poor wife is miserably banished to her parents' house?

Sometimes the husband and wife quarrel, and both agree to separate. However, the husband decides neither to divorce her nor to bring her home, and thus makes her languish by his vacillation. What about this?

What else can it be, but the ridiculing of Religion? The underlying sentiment in it is the same, that men are rulers over the women. They have all the powers. Women are their slaves. Men are their supervisors. As long as the despot wishes, he keeps a woman in the house. When he is angry, he turns her out. Alternatively he lets her dangle, neither keeping her as a wife nor releasing her as a divorcee. To these dictators, a woman does not even have the option to ask as to why she is being treated so, and for which crime? (81:9).

Iddat

What happens after the divorce? They would both be allowed to choose new partners if they wished. But the woman would have to wait for a little while. The waiting period called "Iddat". Ordinarily this is three months, but if the woman is pregnant then she will have to wait till her delivery. During this waiting period, all her expenses would be borne by her ex-husband. A woman cannot marry again during the period of Iddat except that, if her ex-husband regrets having divorced her, then he can marry her again during this period. This is the only prerogative which men have been given: that is, there is no waiting period (Iddat) for a man. If he wants to marry again after divorcing his wife he can, but a woman has to wait to complete the duration of 'Iddat' before she marries again.

Some say that because their wives were perpetually ill, they married again. According to them companionship means: As long as your partner is healthy you keep her, and the minute she is sick you throw her into hell.

But such excuses, no matter how weak, are forwarded by those who think that there should be some justification for human problems. Religious minded people do not think that any excuse is necessary. Their reply is quite clear. They say that when religion allows four wives, then what other excuse is needed beyond this for justification? Therefore this group behaves like this. Firstly, they marry four wives; after this they divorce one of them and then a new bride is brought to fill the quorum. In this way, they believe, they are accumulating the rewards of the hereafter, because they are obeying the laws about Nikah and divorce, and are maintaining the limit of four wives, too. For such people, the Quran has said:

> These people want to deceive the law of God and those who adhere to it, but they do not understand that they are deceiving themselves. (2:9).

Anyway, do understand this fact again that in the Quran there is only one verse where permission has been granted for marrying more than one wife. As I have mentioned above, this came as an emergency measure to tackle a collective problem. To decide whether such circumstances are present according to the Quran, which are the pre-requisites of polygamy, is the responsibility of the society and not of individuals themselves. In conclusion, as far as the individuals are concerned, they are not permitted to marry more than one wife.

Let us go a step forward. You have seen that according to the Quran, the aim of Nikah is to have a life of amiable comradeship. As long as there is camaraderie, this aim is being fulfilled. The question which is then raised is, if circumstances develop where due to some reason companionship is no longer possible, then what happens?

Divorce

Then what? Separation. What else? Keeping two conflicting elements together can only result in disruption. That is why the Quran calls the Nikah a contract. This separation in Quran's diction is called a divorce; that is, being released from the restrictions of the contract. But just as the Quran has repeatedly asked that prior to making the contract, you contemplate and coolly think the overall pros and cons, in the same manner it asks you to dissolve the contract extremely thoughtfully and in a considerate manner. In the Quran family life is so important, that all the details of dissolving this contract have been fixed. It says that if a husband and a wife have a dispute, then they should sort out their differences by mutual discussions and negotiations. However, if the differences become worse and turn sour, then Quran does not leave it to the two of them; rather makes it a collective and social concern and asks the society to solve it:

An obvious consequence was the diminishing number of men and the increasing number of orphans and widows.

Today, we normally use the word 'orphan' for those children whose parents are no more alive or who do not have their fathers. But in Arabic this word is used for such children, as well as for those women who have been left alone because they have been unable to get a husband. Therefore when this verse says, "If you are afraid you would not be able to do justice to the orphans," it is referring to fatherless children and such women who are without husbands, whether they are widows or are unmarried. To elaborate on the issue it may be noted that in early Madina life, owing to constant wars, and their consequence, such children and women far out-numbered men. Besides, the Muslim women from Makkah after leaving their non-Muslim husbands, sought refuge in Madina. Such circumstances had made the presence of these orphans and widows a serious social problem, which had to be solved satisfactorily. If it was a problem of everyday provisions then many solutions could have been considered. But the real problem was how to take care of the young widows and orphaned girls. Some extraordinary solutions had to be sought, specially because they could not be married to non-Muslims. Muslim women could neither marry the infidels of Quraish, nor Jews or Christians. These were those extraordinary conditions under which the above mentioned guidance was given. That is, if the problem of orphans could not be solved in a manner which adequately fulfilled their rights and needs, then one solution was that one man should shoulder the responsibility of more than one woman. This was a way of saving society from all the drawbacks which would entail from having the young women and orphan children unattended. But at the same time men have been advised to make sure that this does not interfere with the balance and tranquility of their home. If it was to be so, then it would not be permitted.

As such, the rest of the verse was revealed together with the above: If you are afraid that you will not be able to keep the balance, then maintain one wife only (4:3).

This is, my dear girl, the one verse in the whole of the Quran about polygamy and the above is its background. After this, could the way Muslims indulge in polygamy possibly be justified according to the Quran? Do you see any marriage being solemnized where the condition laid down by the Quran, if you are afraid that you will not be able to do justice to the orphans, then you can have more than one wife (4:3), is being observed or adhered to? Trying to justify polygamy under cover of this verse, in ordinary circumstances and without those conditions, is nothing but the open flouting of its injunctions. If you ask somebody, he would say, that as he was childless, he married again; as if God had enjoined upon him to increase the tribe of Adam and then come to Him, failing which he would be sent to hell. On the contrary, God Himself has said that children are born according to the law of nature. Some get boys and some girls; some have boys and girls both, and some remain childless (42:50).

contract has to be dissolved. This is called 'divorce', which is an issue that will be discussed in detail later.

All of these, dear daughter Tahira, were the results of the above

In respect of divorce, the Quran says: If you want to bring another wife in place of your first wife... (4:20) This makes it very clear that a second wife can come in place of a first wife, and not in her presence.

As I write this I can imagine how perturbed you would be after reading this. Surely you would question how I could say such an eccentric thing, when Muslims have been assured of four wives? Let aside the past, even today there are many homes where a husband has more than one wife. These homes include some of the most respected families. Then how can one assert that the presence of one wife leaves no room for another one?

You are right Tahira, and so am I. You say that four wives at a time is the usual practice of Muslims, and I am saying that the Quran allows one wife at a time. Now you will ask how the practice of keeping two, three or four wives at a time became prevalent among Muslims? Well, listen.

The Quran mentions marrying more than one wife in one place only and that is the third verse of Surah An-Nisa. The second verse of this Surah is:

> The property of orphaned children, if they have any, should be protected like you protect your own children's property. When they attain adulthood, the trusted property should be returned to them. Do not exchange their goods with yours of lesser quality. Misappropriating their possessions would be a great injustice (4:2).

This is Surah An-Nisa's second verse. The literal translation of the third verse is:

> If you are afraid that you will be unable to do justice to the orphans, then you could take in Nikah two, three or four women whom you like (4:3).

Basic Condition

One thing is quite clear from the above mentioned verse. Taking more than one wife is conditional: and the condition is if you are afraid that you may not be able to do justice to the orphans. The question is as to what does this condition stand for? Surah An-Nisa itself infers an explanation.

Early verses of this Surah contain laws about women, orphans, property and inheritance. Thereafter, laws pertaining to war are mentioned. Just imagine, a small cluster of Muslims had to fight many wars, within seven to eight years of migration.

It is obvious that this kind of relationship, which is based on alike mental level with shared ideas and concepts, can only be possible between two consenting parties by mutual agreement. That is why the Quran calls it a 'contract' (4:21). The first condition for the contract is that both the parties should be mature.

Age of Nikah

A minor's contract cannot be taken seriously. Therefore, Nikah of a minor is not a Nikah according to the Quran. The Quran associates Nikah with adulthood (4:6). The second condition of the contract is that it should be executed without coercion and should have the consent of both the parties. So, on the one hand men are addressed as follows in (4:3) to perform Nikah with those women whom you like, and on the other hand, about women, it says that it would be absolutely unlawful for you to own women forcibly (4:19).

Hence, Nikah is a contract in which an adult man and an adult woman willingly agree to become companions (husband and wife) to honour all the duties and privileges enjoined by the Quran. Living a life full of mutual love and shared ideas and interests. This way they will create a pleasant environment that would be conducive to our future generations in being humane and have balanced personalities. If even one point is missing or deficient, then the relationship does not become Nikah and deteriorates into a simple biological sex connection. The Quran itself explains the basic difference between the two kinds of relationships when in (4:24), explains the 'married' relationship. Quran's style is quite unique, when it explains something, by discussing the opposite. It says that married relationship means "Muhsineen" and not "Musafiheen" Here "Muhsineen" has been explained by "Musafiheen". The root word of "Musafiheen" is "Safha", which means pouring out. Further, "Hasana" means to keep oneself within certain limits. If the relationship of Nikah does not limit itself to the basic restrictions on which Nikah was established, then it is no longer Nikah. It degenerates to "Safha". Arabs used to draw lots by shooting arrows, one of which was blank. This blank arrow was called 'Asfeeh'. In other words, even if it hit the target, it was not counted as a result. This is not the place to mention the other meanings of this verse. (I hope you have understood the simile that the Quran has used).

Polygamy

Let us move forward. When Nikah aims at a harmonious life, and sets to create an environment for the children which would be conducive to the blossoming of their personalities, then in the presence of one wife another wife cannot be justified. Such company could convert the home into a hell, instead of developing companionship and respect. A second wife can be justified only when the first wife has died, and one is quite certain that the second wife would have an equally harmonious atmosphere. Otherwise circumstance may evolve in which the marriage

human child is not born ready-made (like an animal offspring), but that it becomes what his or her primary environment or education trains it for. If a nation wants its next generation to have human qualities, then it is necessary for that nation to create such an environment. A child's environment is the home where he is born and grown up; as such, his first training ground is his mother's lap.

Mother's Lap

In this letter I really do not want to go into details, through which I would make you understand, with examples from the conclusions of psycho analysts that for whatever a child will become in future, its main foundation is laid during the first two or three years of its life. Dr. Jung asserts that the foundations of a child's character are laid at a time when he has yet to learn to speak. At this age he is visually observing and absorbing the environment in which he is raised. Later the edifice of his life is erected on these foundations. Therefore, the making or marring of a child's life depends mostly upon his environment. And his environment depends upon his parent's mutual relationship. This is to say that the environment is created by how husbands and wives react to each other.

Mutual Relationship of Husband and Wife

This is the reason why the Quran considers a congruent and happy relationship of a husband and wife as a pivot of family life. This not only makes the couple's life happy, but their children's, too. Growing up in a harmonious environment, makes them a blend to be prided by their nation, and the whole of humanity benefits from them. The Quran says that a husband and wife relationship can be happy only if their attitude and temperament are compatible, and if they have the same goals in life and their thinking is alike. Such men and women are congruent in head and heart, and create a balanced and happy environment in which their children grow up into sublime exponents of humanity. In Quran's diction, this is called Nikah. Nikah literally means to absorb each other in the same way as rain drops are absorbed by earth. It is a kind of amalgamation, like that of sleep in the eyes. A couple executing this kind of contract is called Zauj. As mentioned in my previous letter, Zauj means 'complement', that is, the one has to be there to complete the other one. Husband complements a wife and a wife complements a husband. If one is ignored, then the other is rendered useless. If one wheel of a carriage is damaged the other one automatically becomes useless. Both the wheels are Zauj to each other.

Nikah

It is a fact that the family contract (Nikah) in which both the parties are congruent head and heart-wise, ensures a heavenly environment. Incongruent parties coming together create hell. The Quran has explained this in quite an effective manner, and I have written about this point in my previous letter.

Third Letter to Tahira

MARRIAGE - DIVORCE – POLYGAMY

We are pleased to announce that the translation of "Tahira Kay Naam" is in print now. This month we are printing Baba'ji's Third "Letter to Tahira" in the Tolu-e-Islam Magazine. The issues of "Marriage-Divorce-Polygamy" have been selected because of the peculiar situation prevailing in Pakistan in this context. There have been very unfortunate tragedies of "honour killing"—tribal and feudal traditions being presented under the cover of "Shariat". This "Letter" puts the record straight. ***(Editor)***

No Tahira, there is a whole lot of difference between a child and the young one of an animal. The young one of an animal is born with instincts which training cannot change. If before it opens its eyes, a pup is made to suckle a goat, it would not be affected in any way. It will remain a dog, and grow up to be a dog. It will have all the dog-traits and none of the goat. Its instincts would neither be affected by the goat's milk, nor by having been brought up with goats kids. Why go far, didn't you observe the results when your hen was hatching her own and the duck's eggs together? The eggs produced chicks and ducklings, and all were cared for under the wings of the hen. But when they faced water for the first time, the ducklings went straight in the water and the hen and chicks remained out. The hen's worry was worth watching, but the ducklings were quite unaware of the fact that they had done something to be worried about. On the contrary the chicks did not go near the water. Being brought up with, and in the company of chicks had no effect on them, and neither would it be so in the future. Ducklings remain ducklings.

In contrast, if an uncouth or rural woman's child is sent to a civilized and learned family, and the child from a refined family is given to a village woman, you will see that peasant's child would become a refined and civilized person, while the other child would be uncouth and become a peasant. There is no doubt there are hereditar influences, but education, training and environmental influences can overcome these. Also, what we call 'hereditary influences' are actually influences of society which are being transferred accumulatively, generation to generation. The effects of education and training can be seen to the extent that if a child of Shia parents is raised by Sunnis, then he will have Sunni ideas. Similarly, if a Hindu child is given to a Muslim family, he will become a Muslim. No dogmatic discussion is needed for such a phenomenon; these are everyday observations which reveal that a

situation could not arise at the time of the Rasool (S). But it can occur after his death. Thus at present it ought to be arranged as such that if a member of the society thinks a decision made by the government is against the Divine laws, he may be able to get it settled from any quarter. Under the present condition a court of law is in a position to do it. As such, the Court of law ought to be the final authority to decide the disputed cases. No body shall be able to go against it. The decision by the court of law shall be considered as a decision by the Centre (Allah and the Rasool (S).

The Quran says:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا O (33:36)

"It is not befitting
for a believers, man or a woman, when a matter has been decided by (Allah and His Rasool (S)) to have any option about their decision. If any one disobeys (Allah and his Rasool (S)) he is clearly on the wrong path."?

The importance of obedience to the centre is further clarified by saying:

فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما O
(4:65)

"But no, by their Rabb, they can have no (real) faith, until they make thee judge in all disputes between them and find in their souls no resistance against thy decision."

It is often argued that in such a case the Sovereign authority shall be the court of law and not the head of the state. But as has been said already, the Sovereign authority is basically the Book of Allah. In disputed affairs the court itself shall also be subjected to the Quran.

****

ضرورت رشتہ

پاکیزہ اخلاق، کشادہ نگاہ، نا کتخدا دو بہنوں اور دو بھائیوں کے لئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔ بہنوں میں سے ایک بی۔اے۔بی ایڈ دوسری بی۔اے کرنے کے بعد بطور (L.H.V) کام کر رہی ہے۔ایک بھائی سول انجینئر جبکہ دوسرا ویٹرنری ڈاکٹر ہے۔

خواہش مند حضرات درج ذیل پتہ پر رابطہ فرمائیں۔

ماہید الدین، جلہ جیم، تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی

to each branch of the government, even members of the Parliament (or consultative Council), ministers, even the head of the state. All shall be bound by the conditions of fitness and unfitness described above.

The Organization of Government-----

CENTRE—The organization of an Islamic state revolves around the single point that the right to rule belongs to Allah alone which is put in to practice by means of His Book, the Quran. To begin with, this was organized by the Rasool (S) himself. Hence the Quranic term "Allah and Rasool" which means that the Rasool (S) was the central authority of that organization. His successors inherited that central authority after his death. For example, Hazrat Abu Bakr Siddiq (The first Caliph) performed the same function as the Rasool (S) himself did during his lifetime.

The officers working under the centre came to be known as اولو الامر . The appeal against the decisions of اولو الامر (officials of the lower ranks) could be placed before the centre that shall be the final authority.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا O(4:59)

"O you who believe! Obey Allah and obey the Rasool (S) and those charged with authority among you. If you differ in anything among yourselves refer it to Allah and His Rasool (The Centre). If you do believe in Allah and the Last Day: that is best and most suitable for the maintenance of a balanced society in the end."

As stated above this organization continued when the caliphate took up the position of the central authority. When the same organization shall be brought in to being again, the central authority shall be that of the centre which may be an individual or a group of individuals. The obedience of the centre shall be the obedience to Allah and the Rasool (S). This central authority shall be subject to Divine Command i.e. to the Book of Allah in all affairs and shall be answerable to Ummah in this respect.

The Misuse of Central Authority.

As stated already, according to the holy Quran the subservience is due to Allah alone and the Islamic rule is an agency to enforce obedience to the Quranic injunctions. Accordingly any wrong decision made by the government shall not be obeyed, if it is against the Quran.

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا O (18:28)

"Nor obey any whose heart we have permitted to neglect the remembrance of us. One who follows his own desires, whose case has gone beyond all doubts." Such a

it. As to what shall be the practical shape of it, the Quran has left it to the approval of Ummah; What ever its machinery may be, the objective shall be that the entire Ummah takes part is it, but not the non-Muslims living within the territory of the Islamic state, because they do not believe in the ideology of this state.

As said earlier an organization in which the entire Ummah takes part is considered to be the consultant organization by the Quran وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (42:38). It means all affairs shall be settler by means of consultation. Am organization differs from the Western Democracy on the basis that in Western Democracy the law-making authority is the representatives of a nation; which means the nation itself is the Sovereign power, but in the Islamic consultative machinery Sovereignty lies in the Book of Allah. Not only the representatives but also the nation as a whole can neither make laws, nor can it amend them.

In an Islamic state the Assignment of Ranks shall be according to personal conduct. وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (46:19) "To all are assigned degrees according to their deeds," And the affairs of the state ought to be entrusted to those who are fit for it (4:58) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا "Verify Allah commands you to render back your trusts to those who are fit for it. Anybody who possesses an outstanding character shall be the Head of the State.

"In the Sight of Allah (49:13) اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ
Most honored of you is he who is most righteous of you." That is whose conduct is exceptionally high. Because the state affairs shall be conducted by a consultative machinery, the Head of the State shall be elected and shall hold this status as long as the Ummah is in his favour.

Fitness of Government officials in an Islamic State: The head of the State, his مجلس شوریٰ (ministers of his cabinet and the members of the legislature) and all other executives and functionaries of the lower ranks belonging to the government machinery shall be subject to the following conditions: - (1) They shall be conversant with the Quranic principles and injunctions. (2) They shall be competent to carry out their respective jobs, including the knowledge of current affairs. (3) Righteousness and integrity of character. (4) Capability of performance without base sentiments and personal gains. (5) Wisdom, maturity and good health. (22:17).

Unfitness: - An executive authority whose deeds are incompatible with the Divine command, his authority shall be confiscated

(11:46) ..... اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

"He is not one of you, for his conduct is unrighteous."

However it ought to be clear that the conditions of unfitness are not confided to the lower ranks only. These are applicable to all ranks from above downwards and

Open Letter to the Honourable

Chief Executive of Pakistan

By
Dr. Syed Abdul Wadud

(Open Letter No.3)

Honorable Sir!

As stated earlier, the remedy for eliminating the misery and debasement that has been brought about in the social life of Pakistan, lies not in bringing back the rotten western democracy, but in firmly putting in to action the Islamic regime under the stuiet guidance of the holy Quran, without any external interference.

Let me describe in this connection the further basic requirements of an Islamic state: -

In surā Hajj it is said- امر بالمعروف و نہی عن المنکر is the duty of the entire Umma.

(22:41) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

"These are the people who when they get the rule of the land, their duty shall be to enforce what is lawful according to the Divine law and prohibit what is unlawful. It means that those issues which are considered by the Quran as true, be made the law of the land; on the other hand what the Quran considers as untrue be prohibited by making laws for it. But its enforcement shall be the duty of the entire Ummah. Thus it is said:

(3:109) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

"You are the best of the Community that has been raised up for mankind. You enjoy what is right and forbid what is wrong."

This very Ummah is the inheritor of the Book.

(35:32) ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا.....

"Then we have made the Book for inheritance to such of our servants as we have chosen."

It means that the orderly working of a state which we call "Rule of the land" is not the duty of a particular group of the people. The entire Ummah shall take part in